جلد ۳۲	ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۲ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء	عدد ۳

مضامین

شذرات

اخبار پڑھنے والے دوستون کو معلوم ہوگا کہ آجکل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے احاطہ مین طلبہ اور مدرسین کے لیے ایک مسجد زیر تعمیر ہے، اور ہمارے مہتمم دار المصنفین مولٰنا مسعود علی صاحب ندوی رکن ندوۃ العلماء نے اسکی تعمیر کا کام اپنے ذمہ لیا ہے، اور اسی تقریب سے وہ دو تین مہینون سے لکھنؤ مین مقیم ہین، موصوف کا کام نہ صرف مسجد کو اپنی نگرانی مین نبوانا ہے، بلکہ اس تعمیر کے لیے سرمایہ فراہم کرنا بھی ہے، خوشی کی بات ہے کہ ان کو حسب دستور سابق دونون کامون مین کامیابی ہورہی ہے، مسجد کا طول تریسٹھ ۶۳ فٹ ہے، اور محرابون تک عمارت پہنچ چکی ہے، مسجد کے نقشہ مین کسی قدر جدت بھی روا رکھی گئی ہے، جس سے مسجد ہوادار اور خوش منظر بھی ہوگی، داہین بائین اور قبلہ رخ بمبئی کی مسجدون کی طرح دروازے اور کھڑکیان رکھی گئی ہین، اور گنبدون کے بجاے چھت کا خیال ہے،

تعمیر مسجد مین امداد سے مسلمانون کو فطرۃً جو شغف ہے وہ بیان کا محتاج نہین، اور نہ معارف کے ناظرین کو اس کے ثواب کی آیتین اور حدیثین سنانی ہین، صرف ان کو یاد دلانا اور متوجہ کرنا ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے پرجوش اور فرض شناس ناظرین اپنے سے خود اور اپنے خاندان کے افراد اور اپنے شہر کے نیک عمل مسلمانون سے تحریک کرین، اور جو کچھ جمع ہو اسکو ناظم صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ سے بھیجدین،

آجکل مولٰنا مسعود علی صاحب ندوی کے قیام کی وجہ سے دار العلوم کے مختلف صیغون مین اصلاح اور ترقی نظر آرہی ہے، اور امید ہے کہ ان کے "ڈکٹیٹر شپ" مین دار العلوم کو ہر قسم کے فوائد میسر ہونگے، ضرورت اسکی ہے کہ ہمارے طلبہ اور مدرسین بھی اپنے فرائض کو محسوس کرین، یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ طلبہ آجکل مسجد اور مدرسہ کے کام مین پوری دلچسپی لے رہے ہین، اور سمجھ رہے ہین کہ کسی درسگاہ کی اصلی اہمیت بلند عمارات اور وسیع سامان نہین، بلکہ خود طلبہ ہین،

دار العلوم کے فارغ شدہ طلبہ بھی آجکل کے ماحول مین دین وملت کی خدمت مین مصروف نظر آتے ہین، لاہور مین مولٰنا محمد حنیف صاحب ندوی خطیب جامع مبارک کے خطبات پسند کیے جارہے ہین، کلکتہ مین مولٰنا مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ نے انگریزی مین اسلام کے اصول وماخذ پر ایک محققانہ کتاب لکھی ہے جسمین اسلام کے عقائد کلامی اور تصوف کے قرآنی ماخذ بتائے ہین، اور ان مستشرقین کی پرزور تردید کی ہے جنھون نے اسلام پر دوسرے مذاہب کی خوشہ چینی کا الزام لگایا ہے، اور انکی غلطیان دکھائی ہین، ایک تیسرے ندوی عالم مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب نگرامی ندوی نے لکھنؤ سے اصلاح کے نام سے ایک ماہوار تبلیغی اور اصلاحی رسالہ جاری کیا ہے جسکے تین پرچے نکل چکے ہین، تین روپے سال اسکی قیمت ہے، اس رسالہ کا مقصد مسلمانون کی مذہبی، اخلاقی، اور معاشرتی اصلاح ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان اس کی خریداری کی طرف توجہ کرین،

آجکل کے اسلامی اخبارات مین باہمی ذاتی مناقشون کی ایسی بدترین تصویرین نظر آرہی ہین، کہ انکے صفحات کو غض بصر کے بغیر پڑھنا مشکل ہے، ایک دوسرے پر الزام تراشی، اور حریف کو ہر طرح بدنام کرنے کیلئے مشتبہ الفاظ، ذو معنین جملے اور دوسرے ناپاک واقعات کی تلمیحات بے محابا استعمال کیجارہی ہین اور مزید تعجب یہ ہے کہ ان چھینٹون سے مقدس عباؤن کے دامن بھی پاک نہین، انقلاب وزمیندار، وہند جدید کا قضیہ تو پرانا ہو چکا اب ہند جدید اور خلافت باہم دست وگریبان ہین، مدینہ اور الجمعیۃ ایک طرف، الامان ووحدت دوسری طرف ہین، بہار مین اتحاد ایک جانب، اور نقیب دوسری سمت، باہم اس طرح نبرد آزما ہین، کہ متانت اور سنجیدگی کو آنکھین بند کرلینی پڑتی ہین، جب ہمارے معلمین اخلاق کے یہ اخلاق ہین، تو عام مسلمانون کا کیا شکوہ؟

ان خانہ جنگیون کا آغاز گو اختلاف راے سے ہوا، مگر اب وہ قومیات کے بجاے ذاتی عناد وکاوش کا مظاہرہ کر رہی ہین، جنمین ہر فریق اپنے حریف کو بدنام کرنے کے لیے اس کے خلاف غلط فہمیون کے پیدا کرنے مین سراپا مصروف عمل ہے، موجودہ جدید طرز تحریر کا ہر اسلوب ایک مستقل حربہ کی صورت مین استعمال پا رہا ہے، مشتبہ الفاظ، سوالات، نقطے، افواہ، طنز، تلمیحات، بے نام تحریرین، ہر چیز معرض اشاعت مین آرہی ہین، اور ان کو "پاک قومیات" کا درجہ دیا جارہا ہے،

یہ منظر کس قدر دردناک ہے،

مسلمانون کا سیاسی انتشار اب کچھ چھپا راز نہین، ہم نے پہلے مسلم لیگ بنائی، پھر خلافت قائم کی، پھر جمعیت کھڑی کی، بعد ازین مسلم کانفرنس کو پیدا کیا، پھر جماعت احرار میدان مین آئی، اور ان مین سے ہر ایک کو مسلمانون کی سیاسی نمایندگی کا دعویٰ ہے، اور ہر ایک پوری قوم کی زبان ناطق بننے کی مدعی ہے، ایسی حالت مین مسلمانون کا کوئی پروگرام اب تک نہ قابل عمل ہو سکا ہے، اور نہ آیندہ ہوگا، اس سے پہلے کہ مسلمانون کو اصلاح کی دعوت دی جائے، ضرورت ہے کہ ان انجمنون کی شکست و ریخت کیجائے، ان مین سے بعض کو دفن کر دیا جائے بعضون کے مقاصد بدل دیئے جائین، اور صرف ایک سیاسی انجمن قائم رکھی جائے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ احرار اور معتدلین دو گروہون مین منقسم ہو کر، دو سیاسی مجلسین بنالین، لیکن یہ تو نہ ہو کہ دو جمعیۃ العلماء مین، ایک شہر مین، بلکہ ایک ہی محلہ مین قائم ہو کر "جمعیۃ علمائے ہند" کہلائین، اور اصلی کو نقلی سے تمیز کرنا مشکل ہو جائے، حالانکہ شعراء کے تخلص کی طرح ابھی نئی انجمنون کے لیے نامون کی کمی نہین،

ملکی حالات کے انقلاب کے سبب سے ضرورت ہے کہ ہم اپنے حالات پر پھر ایک نظر ڈالین اور گذشتہ تعصبات کو چھوڑ کر فکر و عمل کی وحدت کی نئی کوشش کرین، اور اس ذمہ داری کو محسوس کرین جو پوری قوم کی گمراہی اور غلط روی سے ہمارے رہبرون کے سر پر عائد ہوگی، ذاتی کد و کاوش، اور پرانی مخالفتون اور رایون کے اختلافات کو اگر اب بھی مسلمانون نے دفن نہین کیا، تو وہ نہ ملک کے کام آسکین گے، اور نہ حکومت ہی کی خوشنودی کی وہ "دولت" پاسکین گے جس کے لئے ہمارے بہت سے افراد بہت بیتاب ہین، سلطنتین دوستی کا پیمان صرف اس طاقت اور قوت سے باندھتی ہین جو ان کو نفع یا نقصان پہنچا سکے، مختلف الآراء، کمزور دل، اور ناتوان جماعت کس برتے پر کسی کو اپنے ساتھ عہد و پیمان باندھنے پر مجبور کر سکتی ہے،

مقالات

مسلمانون کی آیندہ تعلیم

"مسلمانون کی آیندہ تعلیم" کے عنوان سے اڈیٹر معارف نے ۱۱ اپریل ۱۹۳۳ء کی شب کو جامعہ ملیہ، دہلی کے ایوان مین ایک مبسوط مقالہ پڑھا تھا جسکو رسالہ جامعہ نے مہینے مئی اور جون کے نمبرون مین شایع کیا ہے، اب ہم اس مقالہ کو فائدہ کی تعمیم اور صحیح خیالات کی اشاعت کی غرض سے معارف مین شایع کرتے ہین،

"اڈیٹر"

دوستان و عزیزان جامعہ! آج سے آدھی صدی پہلے مولانا شبلی مرحوم نے علی گڈہ ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک جلسے مین "مسلمانون کی گذشتہ تعلیم" پر ایک مضمون پڑھا تھا، جو نہایت مقبول ہوا تھا، اب آدھی صدی کے بعد ضرورت ہے کہ "مسلمانون کی آیندہ تعلیم" کے مسئلے پر غور کیا جائے،

اسی زمانہ مین سر سید مرحوم نے مسلمانون کے انحطاط کا سبب اور اس کا علاج مسلمانون کے اہل دماغ طبقے سے پوچھا تھا، بہت سے صاحبون نے اس کا سبب جہالت اور اس کا علاج تعلیم جدید کو قرار دیا تھا، چنانچہ نصف صدی تک ہم نے اس فیصلے پر آنکھ بند کر کے عمل کیا، اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہے، اب نصف صدی کے بعد پھر اس سوال کی ضرورت ہے، کہ ہم کو کس قسم کی جدید تعلیم چاہیئے، ان پچاس برسون مین ہم نے صرف تعلیم تعلیم پکارا ہے اور ایک منٹ کیلئے بھی اس پر غور نہین کیا ہے کہ کیسی تعلیم؟

ترک موالات کی پچھلی تحریک پہلا موقع تھا جسمین مسلمان نادانستہ طور سے اچانک اس موڑ پر پہنچ گئے جہان

ان کو اس کا فیصلہ ضروری ہو گیا، ورنہ ہلاکت کا عمیق غار اُن کے پاؤن کے نیچے تھا،

اب یہ کوئی چھپا راز نہین کہ تعلیم کے مسئلے پچاس برس پہلے کے مقابلے مین اب بالکل اور نظر سے دیکھے جاتے ہین، پہلے جدید تعلیم کی ضرورت کا سب سے بڑا سبب سرکاری نوکریان تھین، اور یہ یقین تھا، کہ سرکاری نوکریون کا دروازہ اسی کنجی سے کھلے گا لیکن اب یہ مسئلہ اس صورت کے بجائے اس صورت مین ہے، کہ نئی تعلیم کی ضرورت اس لئے ہے کہ "پیٹ" کا سوال اسی طرح حل ہوگا پچاس برس کے بعد مولانا حالی کا یہ طعنہ واقعے کی شکل مین ہمارے سامنے آگیا، :-

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کماکر   وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر،

مسلمانون مین جدید تعلیم کی اوسط ہر سال آگے بڑھ رہی ہے آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ ۱۸۸۸ء مین علی گڑھ سے مولینا شبلی نے اپنے وطن کے دوستون کو یہ مبارکباد بھیجی تھی، کہ

آپ کی چند مہینون اسکول سے جو خاص مسلمانون کے ہاتھ مین ہے، آٹھ لڑکے انٹرنس مین پاس ہوئے جنمین پانچ مسلمان ہین، (مکاتیب اول طبع دوم)

اور اب یہ حال ہے کہ ہر سال انٹرنس اور میٹرک کیا اس سے وہ چند گریجوٹ ہو رہے ہین، تاہم اب کیا مسلمانون کا انحطاط کم ہو گیا، اور وہ اب ترقی کر رہے ہین، ؟ مولینا شبلی مرحوم جب مولویون کے مدرسون کو چھوڑ کر علی گڑھ کالج آئے تھے، تو وہان کے طلبہ کو دیکھ کر حسب ذیل فقرے لکھے تھے، :-

یہان آکر میرے خیالات مضبوط ہو گئے، معلوم ہوا کہ انگریزی خوان فرقہ نہایت مہمل فرقہ ہے، مذہب کو جانے دو خیالات کی وسعت، سچی آزادی، بلند ہمتی، ترقی کا جوش برائے نام نہین، یہان ان چیزون کا ذکر نہین آتا، بس خالی نوابیون کی تماشا گاہ ہے، ہمارے شہر کے نوخیز لڑکے مجھ کو بی اے کی نسبت یہ خیال دلاتے تھے، کہ وہ مذہبی باتون کو نامتر ضعیف ثابت کردین گے، لاحول ولا، وہ غریب تو زمین کی حرکت بھی سمجھ نہین سکتے،

سید صاحب (سرسید) نے اکثر مجھ سے فرمایا کہ ہندوستان کے تمام انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانون مین ایک بھی ایسا نہین جو کسی مجمع مین کچھ کہہ سکے، یا لکھ سکے، صرف تین شخصون کو مستثنیٰ کرتے تھے، وہ فرماتے ہین کہ انگریزی ان کے

دماغون مین کچھ تبدیلی نہین پیدا کرتی،

یہ خط ۱۸۸۳ء کا ہے، جس کو اب پورے پچاس برس ہوئے، کیا تھوڑے تغیر کے ساتھ مسلمانون کی جدید تعلیمی کیفیت یہی نہین ہے، ؟ اصل یہ ہے کہ ہم نے جب جدید تعلیم کی اشاعت کا کام شروع کیا تو یہ سمجھے کہ نفس اے بی سی ڈی ہمارے کامیابیون کے خزانے کی وہ کنجی ہے، جو کبھی الف لیلہ کے علی بابا کو ہاتھ آگئی تھی،

اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھین، ہم کو تعلیم کی حقیقت پر ایک لمحہ غور کرنا چاہیے،

تعلیم تعلیم کے لفظی معنی سکھانے کے ہین، اور ہم اپنی زبان مین اس کے معنی سیکھنے سکھانے کے لیتے ہین، اور اس سے مراد پڑھنے اور لکھنے کا فن سیکھنا ہے، اور آج کل اس کے معنی اس بھی زیادہ محدود ہین یعنی انگریزی زبان مین لکھنے اور پڑھنے کو ہم تعلیم کہتے ہین، ہم نے اب تک بار بار جب تعلیم کا لفظ استعمال کیا ہے، تو اس سے مراد وہ سرکاری تعلیم ہی ہے، جو عام یونیورسٹیون کے ماتحت دی جاتی ہے، دوسرے معنون مین ہم یون کہہ سکتے ہین، کہ لکھنے اور پڑھنے کا وہ ہنر یا پیشہ جو سرکاری نظام کے ماتحت سکھایا جاتا ہے،

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیے، کہ کسی زبان کے چند حروف کو لکھنا اور اُن کو پڑھ لینا اسی طرح کا ایک ہنر یا پیشہ ہے، جسطرح نجاری، لوہاری، معماری، اور دنیا کے دوسرے پیشے ہین، اگر کوئی اس حرف شناسی کے ہنر یا پیشے سے ناواقف ہے، تو وہ اسی طرح موردِ الزام ہو سکتا ہے جسطرح اس بات پر کہ وہ نجاری یا لوہاری یا معماری کا کام کیون نہین جانتا کہ موجودہ عہد سے پہلے کبھی کسی قوم کی ترقی اور تنزل کے مسئلے مین یہ چیز حدِ فاصل تھی کہ اس مین فی صدی کتنے لوگ لکھنے اور پڑھنے کا پیشہ جانتے ہین، کیا جب عربون نے رومیون اور ایرانیون کو شکست دیکر تاج و تخت پر قبضہ کیا، وہ اپنی فی صدی تعلیم مین اپنے حریفون سے بڑھ کر تھے پھر جب انھین عربون کو سسلی مین نارمنون نے اور اندلس مین اسپینیون نے اور عراق اور خراسان مین تاتاریون نے شکست دی، تو وہ فی صدی تعلیم مین ان نارمنون، اسپینیون، اور تاتاریون سے کم تھے،

خود ہندوستان مین مسلمانون کو ایک طرف سکھون نے اور دوسری طرف مرہٹون نے دبا کر اُن کے نظام حکومت

کو درہم برہم کردیا، تو سکھ اور مرہٹے اس وقت مسلمانون سے فی صدی تعلیم مین بڑھکر تھے، ؟

عزیزو! یہ "فی صدی" کا لفظ بھی ان منترون مین ہے جنکو یورپ کے سیاسی ساحرون اور جادوگرون نے اپنی محکوم دنیا مین پھونک رکھا ہے، اور اب ہم اس سے اتنے مسحور ہوگئے ہین، کہ ہر چیز کو اسی جادو کی ترازو سے تول کر جانچتے اور مانتے ہین، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قوم کی قوت اور طاقت اس کی کمیت اور تعداد مین نہین، بلکہ اس کی کیفیت مین ہے، اگر کہین صرف تعداد کی کثرت قوت کی مرادف ہوتی، تو وہ ۵ ہزار انگریز ۳۵ کروڑ ہندوستانیون پر حکومت نہ کرسکتے اور نہ چار کروڑ جاپانی چالیس کروڑ چینیون کو ہر قدم پر شکست دیتے چلے جاتے،

قوم کی ترقی کا راز

ان واقعات سے جو مشاہدات ہین، یہ راز خودبخود فاش ہوجاتا ہے، کہ قوم کی ترقی کا راز فی صدی کا جادو نہین، بلکہ اس قوم کی قومیت کی معنوی روح اور ذہنی قوت مین ہے، اس کیلئے سب سے پہلی چیز یہ ہے، کہ قوم کے سامنے اس کی زندگی کا کوئی متفقہ اور متحدہ مقصد ہو، اس کے افراد اپنے ذاتی اور شخصی اغراضِ زندگی کے ساتھ ساتھ من حیث المجموع ایک مشترک مقصودِ زندگی رکھتے ہون جس کے حصول مین اس کا ہر چھوٹا بڑا، امیر غریب، عورت مرد، غرض اس قوم کا ہر فرد پوری طرح مصروف و منہمک ہو، اور اسی کی دھن مین اس کا جینا مرنا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سب کچھ ہو، اور ہر فرد کو یہ متحدہ مقصد اتنا عزیز ہو، کہ جب کبھی اسکے سامنے اسکے ذاتی اور شخصی مقاصد اسکے مشترکہ قومی مقصد سے متصادم ہون، تو بے تامل وہ اپنے تمام ذاتی مقاصد اور شخصی فوائد یہان تک کہ خود اپنے وجود کو بھی اس پر نثار کردے،

اٹھارہوین صدی کے ہندوستان کی تاریخ مین جو واقعات پیش آئے، ان کی تحلیل کیجئے، تو اس راز سے خودبخود پردہ اٹھ جائے گا، کہ ارکاٹ، سرنگاپٹم، پلاسی، بکسر، لکھنؤ اور دلی مین مٹھی بھر انگریز ہندوستانی ریاستون اور سلطنتون کو اس آسانی سے کیونکر توڑ پھوڑ کر رکھدیتے تھے، ایک طرف ایک متفقہ مقصد، متحد قوت اور منتظم طاقت تھی، اور دوسری طرف منتشر افراد اور پراگندہ اشخاص تھے جن مین سے ہر ایک کا مقصود الگ اور مطلب جدا تھا، کہین اگر کوئی خاندان حکمران تھا، تو اس کے مختلف افراد بھی اس ریاست کی گدی اور مسند کے لئے باہم نبرد آزما تھے، ارکاٹ اور بنگال کی نوابیون مین کیا یہی پیش نہین آیا، حیدر علی، اور ٹیپو جنھون نے اپنے سامنے ایک مضبوط مقصد رکھا تھا، دیکھئے کہ یہ ذہنی مضبوطی

اُن کی جسمانی اور فوجی مضبوطی کی صورت مین کس طرح ڈھل گئی تھی، اور اس وقت تک اس آہنی انسان کی قوت مین کمزوری نہین آئی، جب تک اس کے خاندان اور دربار مین وحدت کی جگہ شخصی مقاصد اور ذاتی منافع کی کثرت نہ آگئی، مذہب کی اصطلاح مین اسی "ذہنی وحدتِ مقصد" کا نام **ایمان** ہے، جس کے بغیر کسی عمل کو اعتبار کا درجہ نہین مل سکتا، اخلاق اور کیرکٹر کی مضبوطی جس کے بغیر کسی قوم کی معنوی زندگی کا وجود ہی نہین ہوسکتا، بہت کچھ اسی مقصدِ عزیز کی گران بہا متاع کی حفاظت، بقا، ترقی، اور استواری کی خاطر وجود مین آتی ہے، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، فیاضی، بہادری، اور موت سے بے خوفی، اسی طلسم کے روحانی اسرار ہین، یہ حقیقت مین وہ جرس ہے، جس کی آواز پر قومون کے قافلے اپنے سفر کرتے ہین، اور کامیابی کی منزل کا پتہ لگاتے ہین،

سوال یہ ہے کہ ہماری قوم کا اس دنیا مین کوئی بھی متحدہ مقصد ہی؟ اگر نہین ہے تو وہ قوم نہین، بلکہ جانورون کا گلہ اور حیوانون کا جھنڈ ہے،

غور سے دیکھئے اسی ملک مین ہندو قوم آباد ہے، اس پر انقلابات کے بیسیون دور گذر چکے ہین، صدہا سال کی حیرانی و سرگردانی کے بعد اس نے اب اپنی زندگی کا ایک مقصد قرار دے لیا ہے، اُن کے چھوٹے سے لیکر بڑے تک، نوکری پیشے سے لیکر آزادی طلب تک، غریبون سے لیکر دولتمند مہاجنون تک، محکومون سے لیکر اُن کے رئیسون اور راجاؤن تک، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اُن کے کانگریسیون سے لیکر خوشامدیون تک ہر ایک نے اپنے سامنے کم از کم ایک متحدہ مقصد رکھ لیا ہے، اور وہ مخالفت کی ہر قوت کو ٹھکرا کر، اور عائق اور مانع کی ہر دیوار کو ہٹا کر ہندوؤن کو واحد قوم بنانا، اور اس کے تمام پچھلے خصوصیات کے ساتھ اس کو اس ملک مین مستقل وجود بخشنا، اب اس قوم کی ہر کوشش ہر راہ سے اسی ایک منزلِ مقصود پر آکر ختم ہوتی ہے، اس کے اہلِ سیاست کی کوشش یہ ہے، کہ اس کو سیاسی خودمختاری اور اس ملک پر حکومت کی پوری ذمہ داری بخشین، اہلِ تعلیم اس کو تعلیمی ذرائع سے حاصل کرنے کیلئے اس کے علم و فن کے پیمانے کو اونچا کر رہے ہین، اصلاحِ معاشرت کے کارفرما اس کو معاشرتی اور تمدنی طریقون سے آگے بڑھا رہے ہین، اہلِ دین اس کی دینی وحدت کی دھن مین ہین، اہلِ علم اس کے معلومات کا خزانہ بھر رہے ہین، اہلِ ادب

اس کے لئے ایک واحد زبان کی تخلیق مین مصروف ہین، انتہا یہ ہے کہ اس کے مجبور قیدی بھی ذاتون کی تفریق کے خلاف حصولِ وحدت کیلئے پس دیوار لڑ رہے ہین، الغرض قومی وحدت" کی تشکیل کی جتنی صورتین اور تدبیرین ہین، قوم کے مختلف کارکن اور کارفرما اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے ان مین سے ہر ایک کی تکمیل مین مصروف ہین، اور اُن مین سے ہر ایک یہ جانتا ہے، کہ دوسرا بھی دوسری راہ سے وہین جا رہا ہے، جہان وہ خود جانا چاہتا ہے، اسلئے راہ رو اور راہ بر باہم دست و گریبان نہین،

الغرض قوم کی زندگی کے لئے سب سے پہلے چیز "وحدتِ مقصد" کا وجود ہے، یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے ارد گرد قوم کے تمام افراد کے اعمال چکر کھاتے ہین، حکمران اپنی حکومت کے تخت پر، واعظ اپنے منبر پر، سپاہی اپنے میدان مین اہل پیشہ اپنے بازار مین، عالم اپنی درسگاہ مین، صناع اپنی کارگاہ مین، اخبار نویس اپنے دفتر مین، یہان تک کہ اسکے مجرم اور ڈاکو بھی اپنی کمین گاہ مین اپنے دوسرے کامون کے ساتھ اسی ایک مقصد کیلئے جیتے اور مرتے ہین،

تعلیم کا پہلا مقصد، مقصدِ زندگی کی تبلیغ

تعلیم کا پہلا مقصد یہ ہونا چاہئے، کہ وہ قوم کے افراد مین اس کے واحد مقصد کی تبلیغ اور تکمیل کا فرض انجام دے، قوم کے ہر فرد مین بچپن سے اس مقصد کی صحت کا یقین اور اسکی رفعت اور بلندی کی تقدیس اور اسکے حصول اور بقا کی خاطر ہر آزمایش اور امتحان مین پڑنے کی غیر متزلزل جرأت پیدا کرے،

ہم کو پہلے سوچنا چاہئے کہ اول مسلمانون کے سامنے اور خصوصًا ہندوستان کے مسلمانون کے سامنے اُن کی زندگی کا کوئی مقصد ہے بھی، اگر ہے تو ہندوستان کے اس سرے سے لیکر اس سرے تک کوئی درسگاہ اپنے سامنے وہ نصب العین رکھتی ہے،

ہمارا پچھلا نظامِ تعلیم کتنا ہی بُرا سہی لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے سامنے ایک مقصد تھا، اور وہ مذہب کی خدمت اور اس کے زیر سایہ علوم و فنون کی تحصیل اس مقصد کا اثر یہ تھا، کہ تعلیم ہمارے نظام زندگی مین ایک دنیوی نہین، بلکہ ایک مذہبی فریضہ تھا، یہان تک کہ کتابین اور کتابون کے اوراق بھی ہمارے نزدیک مقدس اور ادب اور احترام کے قابل تھے، ہمارے اندر مذہب کی شیفتگی اور عقیدت تھی، اور اوسکی خدمت کیلئے ہر علم و فن کو سیکھتے تھے،

اور پڑھتے تھے، ہم نے فلسفہ یونان سے اور ریاضیات ہندوستان سے سیکھا، اور اسی طرح دوسرے عقلی علوم بھی دوسری غیر مسلم قومون سے لئے، مگر غور سے دیکھئے، کہ ہمارے اسلاف نے ان مین پوری اصلاح و ترمیم کرکے ان کو اپنے نصابِ درس مین اس طرح رکھا کہ وہ آج تمامتر اسلامی علوم معلوم ہوتے ہین، ارسطو، اور افلاطون کا فلسفہ جو کہتے ہین کہ دہریت سکھاتا ہے، جب وہ ہماری مشرقی درسگاہون مین پڑھایا جاتا ہے، تو پہلے اعوذ باللہ اور پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھکر شروع کیا جاتا ہے، خدا کا نام آتا ہے، تو نیچر اور فطرت کے بے حس اور بے جذباتی نامون سے اس کی تعبیر نہین ہوتی، بلکہ واجب تعالیٰ، باری تعالیٰ اور مبدءِ فیاض کے فلسفیانہ لیکن باادب نامون سے اس کی تعبیر کیجاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ فلسفہ پڑھنے کے باوجود مشرقی درسگاہون کے طلبہ مین بے دینی یا مذہبی بے حسی پیدا نہین ہوتی،

جب ہمارا فلسفی مصنف اپنے فلسفے کا آغاز کرے گا، تو قرآن پاک کی اس آیت کی تعلیم کو اپنی غرض بتائے گا، کہ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (جس کو حکمت دی گئی، اسکو بڑی نیکی دی گئی) جب ہیئت و فلکیات کا درس دیگا، تو تمہید مین وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اور لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ اور فلکیات کی دوسری مناسب آیتون کو پہلے پیش کریگا، جغرافیے کی کتاب لکھے گا تو کہے گا کہ یہ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کی تفسیر ہے، علم طب پڑھائے گا تو شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اور العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان کو دیباچہ مین ذکر کرے گا، فلکیات کی ایک کتاب کا مصنف امام غزالی کے اس فقرے کو طغرائے فخر بنا کر آگے بڑھتا ہے ومن لم یعرف الھیئۃ والتشریح فھو عنین فی معرفۃ اللہ تعالیٰ، (اور جس نے ہیئت اور علم تشریح کو نہین جانا تو وہ خدا کی معرفت مین نامرد ہے) غرض جس علم و فن کو بھی ہماری کتابی تعلیم ہمارے سامنے رکھتی تھی، اس کو اپنے مقصد مین رنگ کر پیش کرتی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا، کہ ہر عقلی علم و فن اور ہر دنیاوی صنعت و ہنر بھی سرتاپا دین اور یکسر مذہب کے پیکر مین جلوہ گر ہوتا تھا، ہمارے اساتذہ آج کل کے علمی دکان دار اور دنیاوی پیشہ ور کی حیثیت نہین بلکہ وارثِ پیغمبر، نائب رسول اور روحانی باپ کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے ہر شاگرد اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ وہ استاد کے رنگ مین رنگ کر ظاہر ہو، اور استاد بھی آج کل کی طرح اپنے کام کو داد و ستد کا معاملہ اور ایک ہاتھ کو لینے اور دوسر

ہاتھ سے دینے کی جنوتی، اور مزدوری کا پیشہ نہین سمجھتے تھے، بلکہ ایک مقدس کام اور دینی فریضہ اس لئے اس راہ مین ان سے وہ وہ ایثار اور قربانی کے مظاہر و مناظر پیش ہوتے تھے جنکو آجکل لوگ مشکل سے باور کر سکتے ہین،

آج کل کی تعلیمی تاریخ مین یہ کوئی انوکھی بات نہین کہ چند روپیون کی خاطر استاد اس کالج سے اُس کالج اور اس یونیورسٹی سے اُس یونیورسٹی مین دوڑے پھرتے ہین، اور صرف بڑی تنخواہ کو اپنی عزت کا ذریعہ جانتے ہین، اور ہمہ وقت پانچ پانچ دس دس روپیون کی خاطر زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہین،

لیکن ہماری پچھلی تعلیمی تاریخ مین یہ واقعے بداخلاقی اور دون ہمتی کی مثال سمجھے جاتے تھے، اول تو تعلیم پر اجرت اور معاوضہ لینے ہی کو وہ تقوی اور دیانت کے خلاف سمجھتے تھے، اور پھر لیتے بھی تھے، تو وجہ کفاف سے آگے نہین بڑھتے تھے، وہ بڑے بڑے علما جن کے نامون کی عزت ہمارے دلون مین ہے، اونھون نے دس دس اور پندرہ روپیون پر اپنی زندگی بسر کردی ہے، اور لطف یہ کہ وہ اپنے اس ایثار کو ایثار کہہ کر لوگون پر اپنے احسان کا بار بھی نہین رکھتے تھے،

تعلیم کے لئے وطن سے باہر نکلنا، اور خصوصًا بیرونی ملکون مین جانا آج ہمارے لئے تعجب انگیز سمجھا جاتا ہے، لیکن ایک وہ زمانہ بھی گذر چکا ہے، جب ہماری نگاہون کے سامنے زندگی کا مقصد اور حیات کا نصب العین تھا، تو علم کی طلب مین نہ تو خشکی کی مسافت اور نہ تری کی ہولناکی ہماری ہمتون کو پست اور ہمارے ارادون کو کمزور کرتی تھی، محدثین نے ایک ایک حدیث کی خاطر مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک کی سرزمین کو چھان ڈالا تھا، بخارا کا یتیم محمد بن اسمٰعیل بخاری اپنی بیوہ ماں کے زیر سایہ ترکستان سے عرب جاتا ہے اور واپسی مین عراق، ایران اور خراسان کے ایک ایک مشہور شیخ کی درگاہ کو چھان ڈالتا ہے، مصر کے طالب علم خراسان آتے ہین، خراسان کے مصر جاتے ہین اسپین اور سسلی کو چلکر عراق و مصر و شام دوڑ آتے ہین، اور مصر و شام کو آپ چلتے ہین، بیت المقدس کے ایک عالم طاہر المتوفی ۵۰۷ھ نے علم کی طلب مین بغداد، مکہ، مدینہ، تنیس، دمشق، حلب، جزیرہ، اصفہان، نیشاپور، ہراۃ، جرجان، آمد، استرآباد، بوشنج، بصری، دینور، رے، سرخس، شیراز، قزوین، کوفہ، موصل، مرو، نہاوند، ہمدان، واسط، اسدآباد، اسفرائین، آمل، اہواز، بسطام، خسرو جرد وغیرہ شہرون کی خاک چھانی، جغرافیے مین دیکھئے، یہ شہر افغانستان کے شہر ہرات سے لیکر ترکستان، خراسان ایران، عراق اور شام تک پھیلے ہوے ہین،

محمد بن مفرج اموی اندلسی کی راہ طلب مین یورپ افریقہ، اور ایشیا، تین براعظمون کے شہر داخل ہین، اسپین کا شہر قرطبہ افریقہ کا شہر مصر اور ایشیا کے شہر دمشق، صنعا، اور زبید (یمن) ان کے تعلیمی مقامات ہین، ولید اندلسی پیدا تو یورپ کے شہر سر قسطہ (سراگوزہ) مین ہوے، لیکن اندلس سے لیکر خراسان تک کچھ گردی کی، ابو محمد عبد اللہ بن عیسٰی بن ابی حبیب اندلسی علم اور وزارت کے خانوادے سے تھے، وہ اسپین سے فارغ ہوکر اسکندریہ اور مصر آئے، پھر مکہ گئے، پھر عراق مین داخل ہوے، اور بغداد مین مقیم رہے، پھر خراسان کی راہ لی اور نیشاپور، اور بلخ مین قیام کیا، پیدا اسپین کی خاک مین ہوے، اور ۵۴۶ھ مین افغانستان کے شہر ہرات بن پوشنج مین ہوے، حسین بن احمد پیدا قرطبہ مین ہوے اور ۵۵۶ھ مین یمن کی سرزمین مین دفن ہوے،

تاج الدین سرخسی ۵۲۰ھ مین پیدا خراسان کے شہر سرخس مین ہوے، نشو و نما شام مین ہوئی، اور وفات ۵۹۹ھ مین اندلس مین پائی، نحو کے مشہور امام ابو علی قالی پیدا عراق کے شہر دیار بکر مین ہوئے، پھر تعلیم و تعلم کی خاطر ملکون کی سیر کرتے، بغداد اور موصل سے چل کر اسپین مین جا کر دم لیا، اور ۳۵۶ھ مین قرطبہ مین وفات پائی، ابن المقری اصفہان کے محدث تھے، اونھون نے اصفہان، بغداد، موصل، حران، عسقلان، کوفہ، تستر، مکہ، بیت المقدس، دمشق، صیدا، بیروت، عکہ، رملہ، واسط، عسکر مکرم، حمص، رقہ، اور مصر تک چار مرتبہ آمد و رفت کی، کہتے ہین، کہ ابن فضالہ کی ایک تصنیف کے نسخے کی خاطر ستر مرحلے سفر کے طے کئے، اور اونکی حالت یہ تھی، کہ اگر کسی نان بز کے سامنے ایک روٹی کے معاضہ مین اوسکو پیش کیا جاتا تو وہ اوسکو قبول نہ کرتا،

حماسہ کے مشہور شارح تبریزی کا یہ واقعہ سننے کے قابل ہے، کہ وہ پیٹھ پر کتابون کا پشتارہ باندھے جب پیادہ اپنے وطن سے ابو العلا معری کی خدمت مین شام پہنچے ہین، تو پسینے سے کتابون کی یہ حالت تھی، کہ ان کا ایک ایک ورق دوسرے سے چپک گیا تھا،

آج یورپ کی مشہور یونیورسٹیون مین دنیا کے گوشے گوشے کے طالب علمون کو دیکھ کر ہم دنگ رہجاتے ہین،

لیکن اگر پچھلے عہد کی دکھانے والی دوربینین ہوتین تو آپ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، دمشق، صنعا، قاہرہ، بغداد، بخارا، ہراۃ، اور نیشاپور، مین ان سے بھی زیادہ حیرت انگیز منظر دیکھ سکتے،

مین اس عہد کی صرف دو درسگاہون کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہون، ایک کوفہ مین حضرت امام ابوحنیفہ رح کی درسگاہ، اور دوسری مدینہ منورہ مین امام مالک کی، امام ابوحنیفہ کے حلقہ تعلیم مین مکہ، مدینہ منورہ، دمشق، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استراباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان، ترمذ، ہراۃ، نہتار، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ اور حمص کے طلبہ شریک تھے، ذرا نقشے مین ان شہرون کے بعد مسافت پر نظر ڈال لیجئے،

امام مالک کی درسگاہ مدینہ منورہ مین ہے حالت یہ ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے موجین اٹھتی ہین، اور یثرب کی پہاڑیون سے آکر ٹکراتی ہین، عرب کے شہرون مین مکہ معظمہ، صنعا، عدن، طائف، یمامہ، ہجر، حضرموت، زبید، فدک، شام کے شہرون مین سے ایلہ، دمشق، عسقلان، خلاط، مصیصہ، بیروت، حمص، طرسوس، رملہ، نصیبین، حلب، بیت المقدس، اردن، صور، اور انطاکیہ، اور عراق، کے شہرون مین سے بغداد، بصرہ، کوفہ، حران، موصل، جزیرہ، واسط، انبار، رقہ، رہا، اور ممالک عجم مین سے جرجان، کرمان، ہمدان، رے، طالقان، نیشاپور، طبرستان، طوس، مدائن، قزوین، قومستان، چغان، آمد، کردستان، دینور، سیستان، ہراۃ، بخارا، سمرقند، خوارزم (خیوا) مرو، سرخس، ترمذ، بلخ، نسا، مشرق ہوچکا اب مغرب کی طرف چلئے، مصر کے شہرون مین سے قاہرہ، اسکندریہ، فیوم، اسوان، تنیس، اور شمالی افریقہ اور اسپین کے شہرون مین سو، افریقیہ، تونس، قیروان، برقہ، طرابلس، مراکش، طلیطلہ، بسطہ، باجہ، قرطبہ، سرقسطہ اور نیز سسلی، اور ایشیائے کوچک کے سمرنا (ازمیر) سے طالب العلم آ اور جا رہے تھے،

ان واقعات کو سنتے وقت یہ بھی ذہن مین رہے، کہ اس وقت دنیا مین نہ آج کی طرح ریلین تھین جنھون نے ایک شہر کو دوسرے شہر سے ملا دیا ہے، اور نہ دخانی جہازات تھے جنھون نے ایک ملک کو دوسرے ملک سے جوڑ دیا ہے، اور جو برسون کے سفر کو ہفتون مین اور مہینون کے راستون کو دنون مین اور دنون کی مسافت کو

گھنٹون مین طے کرتے ہین، اور وہان نہ ڈاک اور تار کے یہ انتظامات تھے، جو گھر بار اور اہل وطن کی خبرین دمبدم پہنچاتے رہتے ہین، اور نہ یہ ہوٹل اور مسافر خانے تھے، جو مسافرون کو گھرون سے زیادہ آرام پہنچاتے ہین، اور نہ کوک کمپنی کا وجود تھا، جو رقی سے پہاڑ تک کا انتظام آپ کیلئے شہر شہر کرتی پھرتی ہے،

لیکن ایک لمحہ ٹھہریئے یہ گذشتہ عہد کی داستان کہن استخوان فروشی کے لئے آپ کو نہیں سنائی گئی ہے، بلکہ اس سوال کے جواب کے لئے کہ وہ کون سا جذبہ تھا، جو ان طالب علمون کو اس زمانے مین اس طرح کوچہ بکوچہ، شہر بشہر اور ملک بملک لئے پھرتا تھا، کہ نہ ان کو پہاڑ روک سکتے تھے، نہ جنگل ڈراتے تھے، نہ دریا عائق ہوتے تھے، پھر وہ کیا جوش و خروش تھا جو ان کو اس راہ طلب مین اس طرح بے چین اور مضطرب رکھتا تھا،

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نداشت دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

عزیزو! وہ صرف ان کا وہ مقصد زندگی اور نصب العین تھا جس کو دین کا ولولہ اور مذہب کا جوش کہتے ہین، یہ ان کی زندگی کی روح تھی، اور ان کی حیات کا مقصد، ان کے قبضے مین یہی بجلی کا وہ خزانہ تھا جس سے ان کی تعلیم، تمدن، تجارت، صنعت، سلطنت، حکومت، فتوحات، غرض ایک بامراد قوم کے وہ تمام کارخانے جو زندگی کے مختلف شعبون سے عبارت ہین، چل رہے ہین،

اس سے دوسرے درجے پر جو جذبہ ہے وہ سیاست ہے، اگر اسلام مین دین خود سیاست ہے، تو اس کے یہ معنی ہین، کہ سیاست کا جذبہ کار اس مین دین کے تحت ہے، ایک اللہ کے ماننے والے خواہ وہ کالے ہون یا گورے، ایشیائی ہون یا اوروپی سب کے سب سلطنت مین برابر کے حصہ دار ہین، اسلام مین صلح و جنگ اور فتوحات کی ترقی، تجارت، ملک گیری، اور قومون کو غلام بنانے کی نیت سے نہین، بلکہ اگر ہے تو صرف اس لئے ہے کہ انسانون مین قومیت، وطنیت اور رنگ و روپ کی مختلف برادریون کی جگہ ہم خیالی کی ایک برادری قائم ہوجائے، انسانون کے درمیان طبعی اور فطری تفرقون کو "قومیت" کی بنیاد نہ قرار دیا جائے، جو کبھی ٹوٹ اور مٹ نہین سکتے، بلکہ ان خیالات و ذہنیات کو قرار دیا جائے جس کو سوچنے اور سمجھنے کے بعد ہر انسان بدل سکتا ہے،

توحید اسلام کی وہ روح ہے جس نے دین کے علاوہ سیاست کا کام بھی انجام دیا، اور کم از کم بارہ سو برس تک اس نے ہر میدان مین اسلام کے علم کو بلند رکھا ہے، "اسلام کا ہر سپاہی تن تنہا تلوار ہاتھ مین لے کر نکلتا تھا، اور چند روز مین نو مسلمون کی ایک جماعت اپنے ساتھ لیکر دنیا کے کسی نہ کسی گوشے مین اپنی سلطنت کھڑی کر لیتا تھا، افریقہ مین، بحری جزیرون مین اور مختلف ملکون کے دور دراز گوشون مین اس طرز سیاست نے بڑی بڑی ریاستین، اور حکومتین کھڑی کر دین، اسطرح غلامون کو اسلام کی آزادی سے مالامال کر کے ان کو شمشیر زنی، کشور کشائی، اور تخت نشینی کا اہل بنا دیا، مصر مین غلامون کی سلطنت صدیون تک اسی طرح چلتی رہی ہے، اسپین اور مراکش کے فاتح بھی بربری نو مسلم ہین جنھون نے بارہا شمالی افریقہ مین حکومتین کین،

وہ کون سا جذبہ تھا جو نو مسلم ترکون، تاتاریون، اور مغلون کو ایک علم کے زیر سایہ منظم کر کے چین کی دیوارون سے لیکر قسطنطنیہ کے سواحل تک کے ملکون پر ان کو بارہا حکمران بناتا رہا، سبکتگین ایک معمولی ترک غلام سپہ سالاری تک پہنچا، اور پھر غزنی مین بیٹھ کر وہ خاندان پیدا کرتا ہی، جو ہندوستان پر سو سال تک چھایا رہتا ہی، غور کے نو مسلم جو محمود ہی کے مسلمان بنائے ہوئے ہین، وہ اٹھتے ہین، اور آندھی کی طرح غزنی سے لیکر بحر ہند تک پر قابض ہو جاتے ہین،

ان مثالون سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مین یہ دکھاؤن کہ اسلام نے کیون کر دین ہونیکے ساتھ سیاست کا فرض انجام دیا، دوسرے لفظون مین یون کہنا چاہئے کہ اسلام کا جذبہ دین بجائے خود اس قدر پر زور اور قوی ہے، کہ اس کو اپنی زندگی کے لئے کسی الگ سیاسی قوت کا سہارا ڈھونڈھنے کی ضرورت نہین پڑتی ہے،

عشق خود راہ است وہم خود منزل است

ہان ہم اس حقیقت سے تغافل نہین برتا جا سکتا کہ یورپ نے دو سو برس سے مشرقی قومون اور اسلامی ملکون مین جو فشار بپا کر رکھا ہے، اس کے لئے یہ لازمی ہو گیا ہے، کہ ایک ملک کی بسنے والی تمام قومین اور جماعتین باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملکر اس طرح دوش بدوش کھڑی ہون کہ حریف ہماری صفون کو چیر کر درہم برہم نہ کر سکے، اس کیلئے ضرورت ہے کہ اسلامیت اور وطنیت کو ٹکرانے کے بجائے اسی طرح ان مین تطبیق دی جائے، جس طرح ہم عقل و

نقل اور معقول و منقول کو تطبیق دیتے ہین، غلط فہمی سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ اسلامیت اور وطنیت باہم ایسے حریف ہین جنہین کبھی صلح نہین ہو سکتی، اسلامیت کے حامی ہر چیز مین مسلمانون کی علحدگی کے خواہان ہین، اور وطن کی دوسری قومون سے ملکر متحدہ محاذ کے بجائے محاذ کو تقسیم کر کے اس کی حفاظت اور مدافعت کے فرائض کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کرنا چاہتے ہین، دوسری طرف وطنیت کے طرفدار اس تفریق و امتیاز کے لئے مذہب کو ذمہ دار سمجھ کر اسلامیت کے جذبات سے تبری کرنے پر آمادہ ہو رہے ہین، پہلے کا نتیجہ اگر وطن کی خدمت سے قصور ہے، تو دوسرے کا نتیجہ مذہب سے بیزاری ہے، اور یہ دونون نتیجے ہم کو ہلاکت اور بربادی کی طرف لیجا رہے ہین، حالانکہ جس طرح عقل و نقل کی تطبیق ممکن ہے، ایسے ہی دین اور وطن کی تطبیق بھی ممکن ہے، ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت اور جمعیۃ العلماء کے نظریۂ سیاست نے اس امکان کو واقعہ کی صورت مین ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے، کیا ۱۹۲۰ء کا خلافتی اس عہد کے کانگریسی سے کسی حیثیت مین پست تھا، اور موجودہ عہد تحریک مین جمعیتی خادمانِ وطن کانگریسی خدمت گذارون سے کسی بات مین کم ہین، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ جمعیۃ العلماء سرتاپا مذہبی جماعت ہے، اور باین ہمہ وطنی خدمات مین خالص وطن پرستون سے کسی درجہ کم رتبہ نہین،

میرے نزدیک جس طرح **ندوۃ العلماء** کی درسگاہ عقل و نقل کی تطبیق ہے، **جامعہ ملیہ** اسلامیت اور وطنیت کی تطبیق ہے، اور اسی لئے یہ دونون درسگاہین مسلمانون کی آیندہ تعلیم مین بہت بڑا اثر رکھین گی،

میرے نزدیک جب تک ہندوستان کے مسلمان اسلامیت اور وطنیت کی کشمکشون کا بہترین فیصلہ نہ کرینگے، اس ملک مین ان کا مستقبل حد درجہ خطرناک رہے گا،

ہندوستان مین اسلام اور وطنیت کی مصالحت اور تطبیق

ان تمام ملکون مین جہان مسلمانون کو تعدادی اکثریت حاصل نہین ہے، ان کے دینی اور وطنی فرائض مین یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی بہترین صورت یہ ہے، کہ خالص مذہبی اور قومی امور و مسائل مین اپنی وطنی حکومت کے زیر سایہ نیم خود مختاری حاصل کر کے ملک کے عام سیاسی و انتظامی امور و مسائل مین اپنے دوسرے ہموطنون کے ساتھ اشتراک عمل کرین، صاف لفظون مین یون کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے اپنے مذہبی و تمدنی مسائل مین جن سے قومیت عبارت ہے ان کی وطنی حکومت ان کو اپنے زیر سایہ خود مختاری عطا کرے اور دیگر عام ملکی سیاسی

انتظام و مسائل مین وہ دیگر فرزندان وطن کے دوش بدوش ایک متحدہ نظام کا جزو ہو کر اپنی تعدادی حیثیت کے مطابق اشتراک عمل کرین، موجودہ سیاسی اصطلاح مین ہم یون کہہ سکتے ہین، کہ ایک طرف مسلمان اپنے لئے بلا شرکت غیرے کلچرل آٹانومی حاصل کرین اور دوسری طرف عام ملکی سیاسیات مین وہ اپنے ہم وطنون کے ساتھ شریک رہ کر اپنی آبادی کے مطابق حقوق اور نمایندگی پر قناعت کرین، اس طرح مسلمانون کی ایک امتیازی قومی حیثیت بھی قائم ہوجاتی ہے اور دوسری طرف ان پر وطنی اتحاد کے توڑنے کا الزام بھی قائم نہین ہوتا جن مذہبی و قومی اغراض و مصالح کی حفاظت کی خاطر وہ نمایندگی اور انتخاب نمایندگی کی علٰحدگی کا مطالبہ کرتے ہین، وہ بجائے خود علٰحدہ نمایندگی سے طے ہونگے، اور پھر دوسری طرف عام سیاسیات مین ان کو دوسرون سے نہ کوئی رعایت چاہنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور نہ استحقاق سے زیادہ مطالبے کی بھیک مانگنے کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے، اور نہ لوگون کو عام ملکی معاملات و سیاسیات مین ان کی مخصوص قومی معاملات مین علٰحدگی کی بنا پر ملکی تفرقے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے،

اس طرح مسلمانون کی دو مجلسین ہون گی، ایک خالص اسلامی جو ان کے خالص اسلامی امور و معاملات کا فیصلہ کرے گی، اور دوسری مخلوط مجلس خواہ وہ مخلوط ہی انتخاب سے ہو جو عام ملکی مسائل کا تصفیہ کرے گی،

ہم نے جہانتک ان مسائل پر غور کیا ہے، ہم کو اس سے زیادہ بہتر حل اس مشکل مسئلے کا نظر نہین آتا، یقیناً کسی ایسے نظام کے جزئیات کو طے کرنے اور اس کو بنا کر کھڑا کرنے مین جو پہلے سے ملک مین رائج نہ ہو، ایک اجنبیت محسوس ہوتی ہے، مگر جس طرح ہر نئی اصلاحات کے ہر نظام کو بالآخر طے کر کے عمل مین لاتے ہین، اسی طرح اس پر ہم عمل کر سکتے ہین،

اس مختصر تشریح سے یہ ظاہر ہوگا، کہ ہندوستان مین ہماری قومی زندگی کے حسب ذیل مقاصد ہین،

۱- پیغام اسلام کی تعمیل، حفاظت اور بقا،

۲- اس ملک کیلئے ایک عام جمہوری نظام حکومت کا قیام،

۳- اس عام ملکی جمہوریہ کے ماتحت خالص اسلامی کلچرل آٹانومی کا قیام،

یہ وہ مقاصد ثلاثہ ہین جنکو ہم اپنی قومی زندگی کی روح عمل قرار دیسکتے ہین، ان کے لئے جد وجہد اشاعت و تبلیغ اور بالآخر کامیابی اور کامیابی کے بعد ان کی حفاظت اور بقا ہماری قومی زندگی کا مستقل پروگرام ہو سکتا ہے،

شاید اس موقع پر مجھ سے اپنے موضوع سے ہٹنے کی بازپرس کی جائے، لیکن اگر میری تقریر کا پچھلا حصہ حاضرین کے ذہن نشین ہے، تو یقیناً وہ میری طرف سے اس بازپرس کا جواب دیسکتے ہین، میرے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ ہے، کہ وہ قوم کے بچون کو انکی زندگی کے قومی مقاصد کی تلقین اور تفہیم کرے، اور ان کے اندر ان مقاصد کی یقینیت کی روح پیدا کرکے ان کو سرتاپا عمل بنائے، دنیا مین آج جہان کہین کوئی قومی حکومت ہے، اسی اساس تعلیم پر ان کی قومی عمارت کی بنیاد قائم ہے، انگلستان مین جس طرح آکسفورڈ اور کیمبرج انگریزون کے تعلیمی مرکز ہین، اسی طرح ان کے نظری سیاسیات کے مرکز بھی ہین، وزیر اعظم سے لیکر معمولی رکن پارلیمنٹ تک ان درسگاہون کے احاطون مین آکر اپنی سیاسیات کے نظریون کو بیان کرتا اور وہان کے طالب علمون کو آیندہ کی سیاسی ذمہ داری کیلئے تیار کرتا رہتا ہے،

اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ موجودہ نظام حکومت نے ہندوستان پر سب سے بڑا ظلم کیا کیا ہے، تو مین کہون گا کہ اس کا سب سے بڑا ظلم اس ملک کے بچون کی بے مقصد تعلیم ہے جس نے پوری قوم کی زندگی کو بے مقصد بنا دیا ہے، اور دنیا مین ایک ایسی قوم کی تخلیق کی ہے جسکی زندگی کی کوئی غایت نہین ہے،

سبب کھلا ہوا ہے انگریزی حکومت نے اس ملک کی تعلیم کو قومی تعلیم و تربیت کی نظر سے نہین، بلکہ سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا، اس کو ضرورت ہوئی کہ مسلمانون کی اور دوسری قومون کی اس روحانی زندگی پر موت طاری کردیجائے، جس سے قومی و مذہبی عصبیت پیدا ہوتی ہے، اور اس کے لئے ضروری ہوا کہ اس تعلیم کو ہر قسم کی مذہبی اور قومی تعلیم کی اسپرٹ سے خالی کر دیا جائے،

دوسری طرف اسکو اپنی سلطنت کے چلانے کیلئے ایسے کم قیمت دسیون کی ضرورت تھی، جو اسکے محکمون کے دفتری کاروبار کو سنبھال سکین، اسلئے ایک ایسا نظام تعلیم جاری کیا جسمین کوئی زندگی نہ تھی، اور علوم مین سے بھی صرف وہ چیزین سکھائی جائین، جن کی ضرورت آیندہ بننے والے کلرک (بابون) کو پیش آسکتی ہین،

اسکول تک مین ہم کو کیا سکھایا جاتا ہے، ایک ایسی بدیسی زبان جسکے ذریعے سے ہم اپنے افسرون سے گفتگو کرسکین اوران کیلئے انکی زبان مین اون کے لئے مواد مہیا کرکے رکھ سکین، اورجغرافیہ جس مین زیادہ تر ہم یہ جانین، کہ وہ دنیا کے کون کون سے بر عظم جزیرے اور ٹاپو ہین، جہان وہ علم لہراتا ہے، جس کا آفتاب دنیا سے کبھی نہین ڈوبتا، اور تاریخ جس مین ہم کو یہ سکھایا جاتا ہے، کہ ہندوستان کی موجودہ قومون نے کیونکر ایک دوسرے پر ظلم کیا ہے، تاکہ اس ملک کی قومی تفریق کا ناسور کبھی بھرنے نہ پائے،

ہندوستان کی تاریخ کا وہ حصہ جسمین ہندوستان کی انگریزی شہنشاہی کے بنانے والے لارڈون کا ذکر ہوتا ہے پڑھکر بے انتہا ہنسی آتی ہے، ہر لارڈ نے اس ملک کی اصلاح کی خاطر جو تکلیفین اوٹھائی ہین، اور جو انتظامات کئے ہین، ان کا ذکر ہوتا ہے، پھر وہ رخصت ہوکر جب جاتا ہے، اور دوسرا آتا ہے، تو پھر انھین مناقب کی تکرار ہوتی ہے، اس لغو طریقہ نصاب کا جس قدر جلد ہندوستان سے خاتمہ کیا جاسکے، اسی قدر بہتر ہے اوراس کے بجائے ہم کو وہ نصاب اختیار کرنا چاہئے جس سے ہمارے قومی مقاصد کے جذبات کی پرورش اور تکمیل ہو، اور قوم کو زندہ قوم، سرگرم عمل قوم اور بامقصد قوم بنائے،

ہم نے ہزارون اور لاکھون کے صرف سے ملک مین جابجا اسلامی اسکول، اسلامی کالج، بلکہ اسلامی یونیورسٹی قائم کی ہے، لیکن اس سوال کا کوئی جواب ہے، کہ قومی نقطۂ نظر سے اس قسم کے اسلامی اسکول، اسلامی کالج اور اسلامی یونیورسٹی کس قدر مفید ثابت ہوئے ہین، اور بے مقصد تعلیم کے سوا ان سے کیا فائدہ پہنچا ہے، بجز اس کے کہ ان کے قیام سے چند مسلمان ماسٹرون اور پروفیسرون کی پرورش ہوتی ہے، اور کچھ مسلمان طالب علمون کو کلاس مین جگہین مل جاتی ہین، مگر ان کو اس نظر سے اگر دیکھا جائے کہ یہ قوم کے ذاتی سرمایہ سے سرکاری نظام تعلیم کی اشاعت کا فرض انجام دیتا ہے، تو یہ بالکل لاحاصل معلوم ہوتے ہین، کہ ان قومی سرمایے سے جو اسکول اور کالج قائم ہوتے ہین، وہ قومی نتائج کے لحاظ سے سرکاری مدارس سے کس حال مین بہتر ہین،؟ اسی لئے میرے نزدیک سرکاری نظام تعلیم کی مجبورانہ پیروی کی حالت مین کہین بہتر ہے، کہ ہم اس سرمایہ کو طلبہ کے وظائف دینے اور شہرون مین صرف اسلامی دارالاقامے قائم کرنے مین صرف کرین کہ ان اسلامی اسکولون اور کالجون سے جو فائدہ پہنچنا ممکن ہے،

وہ درسگاہ کی حیثیت سے نہین، بلکہ دارالاقامے کی حیثیت سے ہی،

بہرحال یہ ایک جملۂ معترضہ ہے، کہنا یہ ہے کہ بے مقصد تعلیم سے قومی ترقی اور ملت کی زندگی کی توقع رکھنا پنجاہ سالہ تجربہ کو جھٹلانا ہے، اوراس تعلیم نے صرف نوشت وخواند کے ہنر کی تعلیم واشاعت کے لحاظ سے خواہ کسی قدر فائدہ پہنچایا ہو، مگر قوم کی زندگی اور ملت کی سربلندی مین اس سے فائدے کے بجائے روزافزون نقصان پہنچ رہا ہے، مذہبی مقصدِ زندگی سے تغافل کا نتیجہ یہ ہے، کہ وہ حرف لاینبغی جن کا زبان پر لانا بھی پہلے مشکل تھا، اب وہ برملا ادا کئے جارہے ہین، اور قومی تخیل سے بے پروائی کا نتیجہ یہ ہے، کہ قومیت کا شیرازہ بکھر رہا ہے، اور خیالات واعتقادات کی وحدت کی گرفت جس سے وحدتِ قومیت عبارت ہے، ڈھیلی پڑتی جارہی ہے، اورایک ایسی قوم پیدا ہورہی ہے، جو ظاہر وباطن دونون لحاظ سے حکمران قوم کے لفافے کی صرف نقل ہے،

مسلم یونیورسٹی کیلئے ۱۹۱۱ء مین جس وقت ملک مین جوش وخروش برپا تھا، مولانا شبلی مرحوم نے لاہور کے جلسہ مین اپنی وہ فارسی نظم پڑھی تھی، جس کا ایک مصرع یہ ہے:-

کہ این سررشتۂ تعلیم ما در دستِ ما باشد

لسان العصر اکبر مرحوم نے فوراً اس پر برجستہ جوابی نظم کہی تھی، جس کے ایک مصرعے کے آخری الفاظ یہ تھے، "مگر دستِ شما دستِ شما باشد" لوگون نے شاید اس کو صرف شاعرانہ سوال وجواب پر محمول کیا ہو، مگر بیس برس کے بعد معلوم ہوگیا کہ لسان العصر نے جو شبہہ ظاہر کیا تھا، وہ شبہہ نہین حقیقت تھا، اس طول بحث اور درازنفسی کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانون کے سامنے اب یہ حقیقت واقعہ بن کر سامنے آجانا چاہئے، کہ ان کو پہلے اپنا قومی نقطۂ نظر اور ملی زندگی کا مقصد معین کرنا چاہئے، اوراس پر اپنی تعلیمی عمارت کی بنیاد قائم کرنی چاہئے، اور آیندہ ہماری درسگاہین صرف نوشت وخواند کا حرفہ اور پیشہ سکھانے کیلئے نہ ہون، بلکہ زندہ قوم کے افراد کی تخلیق اور آفرینش کے لئے،

اسی لئے مسلمانون کی آیندہ تعلیم کیلئے ضروری ہے، کہ ایسی درسگاہین بکثرت قائم کیجائین، جو بامقصد ہون، اوران کا سررشتہ واقعی مسلمانون کے حقیقی ہاتھون مین ہو، مسلمانون نے اس ملک پر ایک ہزار برس تک حکومت کی، مگر انھون

نے ہندوستان پر یہ ظلم کبھی نہیں کیا کہ یہاں کے کروڑوں دماغوں کی تربیت اپنے سیاسی ہاتھوں میں لے کر ان کو مذہبی وقومی جذبات سے یکسر خالی کر دیں، اب ضرورت ہے کہ مسلمان اس نظام تعلیم سے علانیہ بغاوت کریں اور ایسی درسگاہوں کی بنیاد قائم کریں، جو ان کو ان کی زندگی کا مقصد بتائیں، اور ان پر ان کی حیات ملی کے اسرار کھولیں،

ایک زمانہ تھا کہ جب سرکاری نوکری ہی مسلمانوں کی زندگی کا تنہا مقصد تھی، اس وقت ملک کی عربی درسگاہوں پر پھبتی کہی جاتی تھی، کہ یہ اپاہجوں کے پیدا کرنے کی کلیں ہیں، اس طعن کو قبول کر لینے کے بعد بھی ہم یہ دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں، کہ وہ بظاہر خواہ کسی قدر پست و مبتذل حالت میں ہوں، تاہم وہ بامقصد ہیں، اور اپنے مقصد پر ان کو ناز ہے اور زمانے نے بتا دیا کہ زمانے کی بے اتفاقیوں اور بے توجہیوں کے باوجود وہ زندگی رکھتی ہیں، اور آپ کو سُن کر تعجب ہوگا کہ آج کل کے ایک بڑے سرگرم کانگریسی نے مجھ سے یہ کھلا ہوا اعتراف کیا کہ موجودہ قومی مقاصد کے سمجھنے میں اور ان پر عمل کرنے میں آزاد عربی مدارس کے تعلیم یافتہ، غلام انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ سے بڑھ کر ثابت ہوئے، اس کا سبب بالکل کھلا ہوا ہے کہ آزاد عربی مدارس کی تعلیم کا مقصد سرکاری نوکری اور سرکاری اعزاز کی تلاش نہیں، جو ہمارے ہر قومی حوصلے کو پست کر دیتی ہے،

مسلمانوں کی علحدہ تعلیم

اوپر کے معروضات اگر ذہن نشین ہوں تو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہونا چاہئے، کہ مسلمانوں کی بامقصد تعلیم کیلئے یہ نہایت ہی ضروری ہے، کہ ان کی قومی درسگاہیں، بالکل الگ ہوں جہاں ان کو خاص ان کے مذہبی و قومی مقاصد کی بنا پر تعلیم دی جائے، ہمارے بہت سے مسلمان دوستوں کی یہ خواہش ہے کہ سرکاری کونسلوں میں ان کی نشستیں معین ہوں اور نشستوں کا انتخاب مخلوط نہ ہوتا کہ مسلمانوں کی مستقل ہستی قائم رہے، میرا خیال ہے کہ سرکاری نشستوں میں عدم مخلوط انتخاب سے کہیں زیادہ ضروری یہ ہے، کہ ان کی تعلیم و تربیت مخلوط نہ ہوتا کہ ان کی علحدہ قومی ہستی فنا نہ ہو جائے، اور ان کے قومی مقصد کی مستقل زندگی برباد نہ ہو جائے،

اسی اصول کی بنا پر مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ نہایت غور و فکر کے قابل ہے، مسلمان ملک کی دوسری قوموں کی طرح میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ٹیکس ادا کرتے ہیں لیکن آپ دیکھیں گے، کہ وہ میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ

کی تعلیم سے بہت کم فائدہ اُٹھاتے ہیں، اکثر میونسپل اور تحصیلی اسکول تقریباً ہندو اسکول ہیں، وہاں کی تعلیم کیا اپنی زبان کے لحاظ سے اور کیا اپنے جذبات کے لحاظ سے تمامتر ہندو ہے، مذہبی تعلیم سے وہ یکسر خالی اور جذبات ملی سے اکثر عاری ہیں، ایسی حالت میں مسلمان طلبہ کا ان میں کم ہونا قدرتی بات ہے،

یہ تو ان مدارس کا سلبی پہلو ہے، ایجابی پہلو یہ ہے کہ میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ابتدائی مکاتب دیہاتی اور شہری ہندو آبادی کی ابتدائی تعلیم کے تمامتر کفیل ہیں، مگر مسلمان ان مدارس و مکاتب سے بجا طور پر احتراز کر کے نہ خود اپنی طرف سے اور نہ سرکار کی طرف سے ابتدائی مکاتب کا اتنا وسیع سلسلہ اپنے قبضے میں رکھتے ہیں، ایسی حالت میں دوسری قوم کے مقابلے میں مسلمانوں کا ابتدائی تعلیم میں کم ہونا بالکل کھلی بات ہے، یوپی میں سرکاری اسلامی مکاتب کی اسکیم بھی اس لئے ناکام ہے، کہ ان کیلئے بھی اُن کے سررشتہ کا خاص لازمی نصاب قبول کرنا ضروری ہے، جو ہمارے اغراض کے مطابق نہیں،

مکتبی تعلیم کا نظام

پورا ملک ابتدائی اسلامی مکاتب کے متحدہ نظام کے سلسلے سے بالکل محروم ہے، جابجا شخصی یا جماعت کے چندوں سے کہیں کہیں بعض مکتب ہیں جنہیں سے ہر ایک انفرادی طریق تعلیم اور الگ نصاب پر جاری ہے، اور جو ہر قسم کی ترقی کی اسکیم سے محروم ہے، پورے ملک میں چھوٹے بچوں کا ایک بھی معیاری مکتب نہیں جو چھوٹے بچوں کی مکتبی تعلیم و تربیت کا نمونہ پیش کرے، جامعہ ملیہ کے کارفرما دوستوں اور ندوۃ العلماء کے ارکان کے سامنے میں نے اس ضروری تجویز کو بار بار پیش کیا ہے مجھے خوشی ہے کہ جامعہ کے کارفرما ادھر توجہ کر رہے ہیں، اور ان کے احاطے میں اس قسم کے معیاری مکتب کے بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے، گورکھپور میں انجمن اجرائے مکاتب کے نام سے ایک مجلس نے چند سال سے کام شروع کیا ہے اور اس وقت تک چالیس مکتب ضلع میں قائم کئے ہیں، اسی قسم کے اجرائے مکاتب کی ہر ضلعے میں ضرورت ہے، جنکے پیش نظر صرف ابتدائی مکتبی تعلیم ہو، اور ہمارا حق پہنچتا ہے کہ ہم میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں سے اپنے مکتبی سلسلوں کیلئے مالی امداد کا جائز مطالبہ کریں، اور جب کبھی ہندوستان کے نظام حکومت کا آسمان و زمین بدلے ہم یہ مطالبہ کریں کہ مسلمانوں کی اس تعلیم کا پورا انتظام اس صیغے کے سپرد کیا جائے جس کا مطالبہ مسلمان اپنے مستقل قومی و مذہبی امور و معاملات کے سلسلے میں کر رہے ہیں،

میری اس گذارش سے اس نتیجہ تک پہنچنا آسان ہے کہ قومی تحفظ کیلئے مسلمانوں کے غیر مخلوط انتخاب کے مطالبے

سے بہت زیادہ ضروری غیر مخلوط تعلیم کا مطالبہ ہے خصوصاً جب وہ وقت آئے گا، کہ ملک میں جبری تعلیم کا نفاذ ہو، اس وقت مسلمانوں کیلئے علیحدہ مستقل نظام تعلیم کی ضرورت آج سے زیادہ عیان ہو جائے گی،

ضرورت ہے کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم پر پوری توجہ کی جائے اور اس کیلئے ٹرینڈ معلم تیار کئے جائیں، اور بچوں کے نفسیات سے باخبر اہل قلم ان کی استعداد کے مطابق ایسا تدریجی نصاب بنائیں، جو سادہ سے سادہ سہل سے سہل ہو، حمایت اسلام لاہور کا نصاب بہت کچھ مقبول ہے، مگر افسوس ہے کہ اس میں الفاظ کے استعمال میں بے احتیاطی برتی گئی ہے، مثلاً دینیات کی پہلی ہی کتاب میں محتاج پیغمبر وغیرہ الفاظ جو پانچ پانچ حرفوں سے مرکب ہیں، استعمال کیے گئے ہیں، کیا بچہ آسانی سے ان کا تلفظ کر سکتا ہے، نصاب کے الفاظ چھوٹے چھوٹے آسان اور سہل ہوں، ان کی کتاب اس احتیاط سے چھاپی جائے، کہ ہر نقطہ اور شوشہ اس طرح اپنی جگہ پر لکھا ہو کہ بچے کو اشتباہ نہ ہو،

ابتدائی تعلیم میں دو اور مشکلیں حل کرنی ہیں، قرآن پاک کے پڑھانے کے آسان طریقے کی تلاش تاکہ قرآن پاک جلد سے جلد ختم ہو سکے، لوگ قرآن پاک پڑھانے کیلئے پہلے قواعد بغدادی یا یسرنا القرآن وغیرہ پڑھاتے ہیں، اور اسی سے تعلیم کا آغاز کرتے ہیں، میرے خیال میں یہ طریقہ غلط ہے، میرا تجربہ یہ ہے، کہ پہلے بچے کو اردو پڑھائی جائے اور جب اردو دان ہو جائے، تو اردو عبارت عربی خط میں چند روز پڑھائی جائے اس کے بعد قرآن پاک شروع کرا دیا جائے، اس سے کم از کم ایک سال کا وقت بچ جاتا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ بچوں کیلئے ایسے قرآن چھاپے جائیں جنہیں خط کی بلکہ ہر حرف کی اور نقطے اور شوشے کی پوری احتیاط کتابت میں کی جائے تاکہ حروف اور نقطے بچوں کی نظروں میں مشتبہ نہ ہونے پائیں، اور ہر حرف کی صرف ایک ہی شکل پورے قرآن کی کتابت میں اختیار کی جائے تاکہ اختلاف صور بچوں کا ذہن اس حرف کے پہچاننے میں مشوش نہ کر دے،

پھر اس پر بھی غور کرنا ہے، کہ ہندوستانی زبان کے مفرد اور مرکب حروف اور الفاظ کے پڑھنے کی آسان سے آسان صورت کیا ہو سکتی ہے، افسوس ہے کہ انجمن ترقی اردو کے سوا اور کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی ہے، بچوں کیلئے جو نصاب بنایا جائے اس میں شروع سے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ ان کی مذہبی

اور قومی روح کی تربیت کرے، بدیسی نظام تعلیم کی بے مقصد کتابیں، جن میں چوہا اور بلی کے بے جوڑ اور بے مزہ قصے ہمارے بچوں کیلئے وہ غذاء فاسد ہے، جو جزو بدن نہیں ہوتی، بلکہ ان کے دماغی ہاضمے کو ابھی سے خراب کر ڈالتی ہے، اور ہم نے بار بار کہا ہے کہ بے مقصد تعلیم قومی زندگی اور ملی حیات کیلئے ایک ذرہ کارآمد نہیں،

ہم ترکوں کو ملحد کہنے کے عادی ہیں، لیکن بہرحال انہوں نے اتنا پورے یقین کیساتھ سمجھ کر طے کر لیا ہے، کہ اگر کچھ زندہ رہنا ہے تو بامقصد قوم ہو کر زندہ رہنا ہے، چنانچہ اسی لئے انہوں نے اپنے سیاسی انقلاب کے ساتھ تعلیمی انقلاب کو ضروری سمجھا ہے،

امریکہ کے ایک مشنری رسالہ "مسلم ورلڈ" نے ترکی ابتدائی تعلیم کی ریڈروں سے ایک سبق نقل کیا ہے، جو درج ذیل ہے:

"مذہب اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر صلعم پر ایمان لایا جائے، جنہوں نے ہم کو اسلام کی تعلیم دی، ہم اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلعم پر عقیدہ رکھنے کو ایمان کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جس نے کائنات اور ہم کو پیدا کیا قدرت والا ہے، ہم پورے طور سے یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے، یا کیونکر ہے، وہ بہت بڑا ہے ......

بچو! تم دیکھتے ہو کہ ایمان لوگوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، اور ان کو قوت اور مسرت بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ، پیغمبر صلعم اور مذہب اسلام پر عقیدہ رکھنا مذہبی ایمان ہے،

ہمارا ایک قومی ایمان بھی ہے، ہم ترک ہیں، ترک تہذیب یافتہ اور متمدن ہیں، ہمارا ملک ہمیشہ ترقی کرتا جائے گا، اور ہمیشہ دشمنوں پر فتحیاب ہوگا، جس وقت ترک کا نام لیا جاتا ہے، میرا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے، اور میرا سر بلند ہو جاتا ہے، میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں، جو میری قوم اور میرے ملک کے لئے مفید ہیں، جو میرے محبوب ملک کو نقصان پہنچاتے ہیں، ان سے مجھے مطلق محبت نہیں"

اوپر کے اس ابتدائی سبق پر غور کیجئے، کہ ترک مدبروں نے تعلیمی حقیقت کا پتہ کس طرح پا لیا ہے، اور دین و وطن کے دوگونہ جذبات کو باہم کس طرح ایک دوسرے سے ہم آغوش کیا ہے، یہی وہ راستہ ہے جو قوموں کی ایک منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتا ہے،

(باقی)

تاریخِ وفات نظامی گنجوی

۵۳۶ھ - ۵۹۹ھ

ازجناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی،

اختلاف سنین

فارسی شعراء کے حالات مین عام طور پر سنین و تواریخ بلحاظ صحت مشتبہ اور بسا اوقات مختلف پائی جاتی مین، لیکن جیسا شدید اختلاف نظامی کی تاریخِ وفات مین ہے، شاید ہی کسی شاعر یا مصنف کی نسبت پایا گیا ہو، اس کی وجہ زیادہ تر یہی معلوم ہوتی ہے، کہ نظامی کی مثنویان جن سے ان کی تاریخ وفات پر استناد کیا جاتا ہے، اغلاط و تصحیفات سے لبریز ہین، چنانچہ ان مثنویون کی تواریخ تصنیف متعدد نسخون مین آپس مین ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہین کہ ان سے صحیح سنین و تواریخ کا معلوم کرنا بہت دشوار امر ہے، یہی سبب ہے، کہ تمام تذکرہ نویس نظامی کی تاریخِ وفات پر متفق نہین ہین،

نظامی کا تذکرہ لکھنے والون مین سب سے قدیم محمد عوفی صاحب لباب الالباب ہین، مگر اون نے سوائے چند مبہمی مدحیہ سطور اور چند غزلیاتِ نظامی کے اور کچھ نہین لکھا، اس کے بعد قدیم ماخذ مین مولانا جامی ہین، جنھون نے بہارستان اور نفحات الانس مین نظامی کا مختصر تذکرہ لکھا ہے، اونھون نے آخر الذکر کتاب مین اتمام سکندر نامہ کی تاریخ ۵۹۲ھ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ نظامی کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے متجاوز تھی[1]،

اون کے علاوہ اور کئی مورخین اور تذکرہ نویسون نے نظامی کی تاریخ وفات کا ذکر کیا ہے، جن کو ہم

[1] نفحات الانس ص۳۹۹ مطبوعہ نولکشور ۱۹۱۵ء

ذیل مین درج کرتے ہین:-

مشرقی مصنفین کی دی ہوئی تاریخین،

(۱) مشہور جغرافیہ نویس قزوینی نے گنجہ کا ذکر کرتے ہوئے نظامی کا مختصر تذکرہ لکھا ہے اور تاریخ وفات تقریباً ۵۹۰ھ بتائی ہے[1]،

(۲) دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہے، کہ نظامی نے طغرل بن ارسلان کے عہد (۵۷۱ھ - ۵۹۰ھ) مین وفات پائی، اور ۵۷۶ھ تاریخ وفات بیان کی ہے[2]،

(۳) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون مین مختلف مقامات پر مختلف تاریخین لکھی ہین:-

۵۷۶ھ، ۵۹۶ھ، ۵۹۷ھ، ۵۹۹ھ[3]

(۴) ملا عبد النبی نے میخانہ مین ۸۴ برس کی عمر مین ۶۰۲ھ مین نظامی کی وفات بیان کی ہے[4]، جو یقیناً غلط ہے، جیسا کہ خود اس کتاب کے مدون کا خیال ہے[5]،

(۵) لطف علی آذر نے (بقول ریو[6]) ۵۷۶ھ لکھی ہے، مگر بمبئی والے نسخہ مین یہ سنہ نہین پایا جاتا، کہ لفظ سنہ کے بعد اس مین سے تاریخ محذوف ہے[7]،

(۶) تاریخ حبیب السیر مین صرف اتمام سکندر نامہ کی تاریخ بقول جامی بیان کی گئی ہے، لیکن حاشیہ پر محمد تقی تستری نے ایک مختصر نوٹ لکھا ہے، جسمین اتمام سکندر نامہ کی تاریخ ۵۹۶ھ بتا کر تذکرۂ تاریخ الافکار، اور صبح صادق کے حوالے سے نظامی کا اس تاریخ کے بعد پانچ سال اور زندہ رہنا ثابت کیا ہے، اور اس لحاظ سے ۶۰۲ھ تاریخ وفات بتائی ہے[8]،

(۷) تاریخ جہان آرا مین (بقول ریو[9]) ۵۹۶ھ ہی،

[1] آثار البلاد القزوینی ص۳۵۲ مطبوعہ یورپ [2] تذکرۂ دولت شاہ ص۱۳۱ مطبوعہ یورپ بمبئی والے نسخے مین صرف "سنہ ستہ سبعین" لکھا ہے، (دیکھو ص۱۱) [3] کشف الظنون جلد اول ص۵۲۵ و ص۲۷۵ و ص۴۶۲، جلد دوم ص۴۰۸ [4] میخانہ ص۱۱ [5] حواشی میخانہ ص۳۷۶ [6] فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم ص۵۶۳ [7] آتشکدہ طبع بمبئی ص۲۴۲ [8] تاریخ حبیب السیر جزء چہارم از جلد دوم ص۱۱۲ کا حاشیہ [9] فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم ص۵۶۴

(۸) مخبر الواصلین میں گنجوی گی جنت' مادۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۵۹۲ھ برآمد ہوتی ہے، طامس ولیم بیل[1] اور مولینا آزاد[2] نے اتمام سکندر نامہ کی تاریخ ۵۹۹ھ نقل کرکے اس تاریخ کی تغلیط کی ہے،

(۹) تقی کاشی صاحب صبح صادق نے (بقول اسپرنگر[3]) ۶۰۶ھ لکھی ہے،

(۱۰) ہدایت قلی نے اپنے تذکرہ[4] میں ۵۷۶ھ (غالباً دولتشاہ کے تتبع میں) لکھی ہے،

مستشرقین یورپ کی دی ہوئی تاریخیں

ان مشرقی مآخذ نیز اپنی ذاتی تحقیقات کی بنا پر مستشرقین یورپ نے مندرجۂ ذیل سنین لکھے ہیں:-

۱- ٹیل (دیباچہ شاہنامہ ص۲۰)
۲- وان ہیمر (تاریخ ادب فارسی)
۳- اڈمین فلوگل (تاریخ ادب فارسی)
} ۵۷۶ھ

۴- سرگوراوسلی (SIR GOUROUSLEY) ۵۹۶ھ[5]

۵- ڈاکٹر باخر (DR. WILHELM BACHER) ۵۹۹ھ[6]

۶- ڈاکٹر ریو (DR. RIEU) ۵۹۸-۹۹ھ[7]

۷- ڈاکٹر ایتھے (HER MAM ETHE) ۵۹۹ھ[8]

[1] مفتاح التواریخ [2] نگارستان فارس ص۳۰، [3] اودھ کیٹلاگ ص۱۷ [4] مجمع الفصحا، جلد اول ص ۶۳۷،
[5] طبع ایران [6] ترجمہ سکندر نامہ از ہنری ولبرفورس کلارک (دیباچہ) ص۲ (BIOGRAPHICAL NOTICES OF PERSIAN POETS P. 48 (1846)
[7] باخر نے نظامی کے سوانح اور تصانیف پر ایک محققانہ رسالہ جرمن زبان میں لکھا ہے، جس کا نام (NIZAMIS LEBEU UND WERKE) ہے، اور ۱۸۷۱ء میں شائع ہو چکا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ رابنسن نے اپنی کتاب (PERSIAN POETRY FOR ENGLISH READERS) میں شامل کیا ہے، جو ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی ہے، دیکھو کتاب مذکور ص۱۰۹ تا ۱۳۳، [8] فہرست مخطوطات جلد دوم ص۵۶۳ [9] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ ص۵۲۱،

۸- ڈاکٹر مودی (J.J. MODI) ۵۹۹ھ[1]

۹- پروفیسر براؤن (E.G. BROWNE) ۵۹۹ھ[2]

ان سب میں جرمنی کے مستشرق باخر نے خود نظامی کی مثنویات کے بعض اشعار کی بنا پر ان کی تاریخ وفات سے متعلق ایک نظریہ قائم کیا ہے، جس کی اکثر مستشرقین نے تائید کی ہے، یہ نظریہ اپنی تفصیلات کے اعتبار سے قابل غور ہے، اور ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں،

باخر کا نظریہ (الف) نظامی نے لیلی مجنون کی تاریخ تصنیف ۵۸۴ھ بیان کی ہے، جیسا کہ اشعار ذیل سے ثابت ہوتا ہے:-

بر جلوۂ این عروس آزاد	آباد تر آن کہ گوید آباد،
کاراستہ شد بہ بہترین حال	در سلخ رجب بہ ثا و فا و دال،
تاریخ عیان کہ داشت با خود	ہشتاد و چہار بعد پانصد،

اس مثنوی کے اختتام کے وقت نظامی کی عمر (۴۹) انچاس برس کی تھی، جیسا کہ اسی مثنوی کے سبب تالیف میں فرماتے ہیں:-

مجموعۂ ہفت سبع خواندی	یا ہفت ہزار سال ماندی

اور:-

زان سحر سحر گہی کہ رانم	مجموعۂ ہفت سبع خوانم،

[1] شمس العلما، ڈاکٹر جمشید جی مودی بمبئی کے مشہور علم دوست پارسی مستشرق اور ایرانیات و پہلویات کے بڑے محقق عالم تھے، جنھوں نے گذشتہ ماہ اپریل میں انتقال کیا، سکندر نامہ کے ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۷۱۳ھ پر سے انھوں نے نظامی کی تاریخ وفات پر ایک مضمون رائل ایشیاٹک سوسائٹی (شعبہ بمبئی) کے جلسہ میں پڑھا تھا، جو اسی سوسائٹی کے جرنل میں شائع ہوا تھا، [2] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص۴۰۲،

اب اگر ۵۹۹ھ سے ان کی عمر کے ۶۳ سال وضع کئے جائیں، تو ۵۳۶ھ ان کا سال ولادت ہوتا ہے،

(ب) خمسۂ نظامی کے کسی جامع یا حاشیہ نویس نے جس نے بعد میں ان کی تدوین و ترتیب کی ہوگی، سکندر نامہ کے آخر میں نظامی کی وفات کے متعلق اشعار ذیل اضافہ کر دئے ہیں،

نظامی چو این داستان شد تمام بعزم شدن تیز برداشت گام،

نبس روزگارے بر این برگذشت کہ تاریخ عمرش ورق در نوشت

فزون بود شش مہ ز شصت و سہ سال کہ بر عزم رہ بر دہل زد دوال"

ان اشعار کے مطابق نظامی نے سکندر نامہ کے اتمام کے بعد ہی وفات پائی ہے، اور اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال (یا ۶۳½) کی تھی، لہٰذا اگر ۵۸۴ھ میں ان کی عمر ۴۹ سال کی ہو تو لازمی ہے کہ پندرہ سال کے بعد (۴۹+۱۵=۶۴، ۵۸۴ھ+۱۵=۵۹۹ھ) جب کہ اونھوں نے انتقال کیا، ۵۹۹ھ تاریخ وفات ہونی چاہیئے،

نظریۂ مذکورۂ بالا سے معلوم ہوگا کہ باخر نے خود مصنف کی سند پر نہیں، بلکہ اس مدون یا جامع خمسہ کے قول پر اپنی بنیاد رکھی ہے جس نے نظامی کی عمر ۶۳½ بتائی ہے،

باخر کا خیال ہے کہ نظامی نے سکندر نامہ کی تاریخ تصنیف نہیں بیان کی، چنانچہ وہ لکھتا ہے،:-

"سکندر نامہ کی تاریخ تصنیف کا تعین ہنوز باقی ہے جسکو نظامی نے براہ راست نہیں بیان کیا"[1]

لیکن یہ امر تعجب خیز ہو کہ باوجودیکہ سکندر نامہ کے دونوں حصوں (شرف نامہ و اقبال نامہ، یا بری و بحری) میں سنین تصنیف ۵۹۷ھ اور ۵۹۹ھ علی الترتیب دے گئے ہیں، باخر کو یا تو سکندر نامہ کے وہ مخطوطے نہیں ملے جنمیں یہ سنین موجود ہیں، یا اس نے اون کو صحیح نہیں تسلیم کیا،

باخر کے تمام نظریہ کی بنیاد لیلیٰ مجنون کے اشعار مندرجۂ بالا ہیں، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ "ہفت سبع خواندن" کے معنی سات کو سات سے ضرب دینے کے کیسے ہو گئے، ؟ فارسی کے کسی معتبر لغت یا فرہنگ میں اس کے

[1] دیکھو باخر کی کتاب ص ۱۱۳

یہ معنی نہیں پائے جاتے، تعجب ہو کہ باخر کی کورانہ تقلید میں تمام مستشرقین حتی کہ ریو اور براون جیسے محققین بھی اس کو ان معنوں میں صحیح سمجھتے ہیں، "ہفت سبع" سے مراد قرآن کریم کی سات منزلیں یا حصے ہیں، جو قاریوں نے قرأت کی سہولت کی غرض سے مقرر کئے ہیں، تاکہ ایک ہفتہ میں پڑھا جا سکے[1] سعدی نے بھی ایک شعر میں "ہفت سبع خواندن" کا ذکر کیا ہے،:-

اگر خود ہفت سبع از بر بخوانی،

چو آشفتی الف با تا ندانی،[2]

بہرحال اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر باخر نے جو نظریہ قائم کیا ہے، گو نتیجہ کے لحاظ سے وہ صحیح ہو، مگر تفصیلات کے لحاظ سے غلط ہے، چنانچہ ڈاکٹر ریو کے قول سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، کہ ناکافی مواد کی وجہ سے باخر کے نتائج کی تفصیل اغلاط سے پاک نہیں ہے،[3]

تاریخ وفات معلوم کرنیکا صحیح اور مکمل طریقہ،

ہمارے خیال میں نظامی کی تاریخ وفات معلوم کرنے کا بہترین اور مکمل طریقہ یہ ہے، کہ مثنویوں کی تاریخ تصنیف، اُن کی عمر کی نسبت اشارات، ان کے صاحبزادہ کی عمر، ان فرمانرواؤں کے سنین حکومت جن کے نام پر یہ مثنویاں معنون ہوئی ہیں، ان سب میں صحیح طور پر مطابقت دیکر تاریخ وفات معلوم کی جائے، تاکہ بعد میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو، چنانچہ مندرجۂ ذیل طریقہ سے نظامی کی تاریخ وفات کے متعلق ہم ایک صحیح نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں،:-

(الف) تاریخ ولادت:-

۱- مثنوی شیرین خسرو کا سال اتمام معتبر قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے مطابق ۵۷۶ھ ہے،:-

گذشت از پانصد و ہفتاد و شش سال،[4]

زند بر قد خوبان کس چنین خال،

[1] غیاث اللغات ص ۵۵۲ رزاقی پریس کانپور [2] گلستان باب چہارم، [3] فہرست مخطوطات جلد ۲ ص ۵۶۴ [4] خمسۂ نظامی کے بعض قدیم

اگرچہ طغرل بن ارسلان سلجوقی (۵۷۳ھ-۵۹۰ھ) کی مدح، محمد جہان پہلوان اتابک کی وفات (۵۸۲ھ) کا ذکر، قزل ارسلان کے قتل (۵۸۷ھ) کا واقعہ اور ابوبکر نصرۃ الدین اتابک (۵۸۷ھ-۶۰۷ھ) کی وفات، اتنی چیزیں اس مثنوی میں پائی جاتی ہیں، لیکن ان سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے، کہ نظامی نے اسی کتاب کو طغرل کے بعد قزل کے نام، اور انکی وفات کے بعد نصرۃ الدین کے نام سے، جو فرمانروایانِ وقت تھے، منسوب کیا تھا، اور اس لئے یہ مدحیہ اشعار بعد کو اضافے کئے گئے ہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب ۵۷۳ھ سے شروع ہو کر ۵۷۶ھ میں پوری ہو چکی تھی، جیسا کہ خود نظامی نے تصریح کی ہے،

۲- اس مثنوی میں وہ اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، :-

ببین این ہفت سالہ قرۃ العین

مقام خویشتن در قاب قوسین

جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے صاحبزادہ کی عمر اس وقت سات سال کی تھی،

سبب نظم کتاب میں نظامی نے اپنے ایک دوست کی زبانی اپنی عمر چالیس سال کی بتائی ہے، :-

پس از پنجاہ چلہ در چہل سال

مزن پنجہ برین حرف ورق مال

اسی طرح معلوم ہوا کہ ۵۷۶ھ میں نظامی کی عمر تقریباً ۴۰ سال کی تھی، اب اگر اس سنہ میں سے ان کی عمر کے چالیس برس کی تفریق کی جائے، تو ان کا سال ولادت ۵۳۶ھ ہوگا،

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۱) ہو نسخوں (موجودہ برٹش میوزیم) میں ہفتاد و یک ہفتاد و دو اور ہفتاد و دو تک سنین پائے جاتے ہیں، لیکن ان میں قدیم ترین نسخہ مکتوبہ ۷۱۸ھ کے ورق ۱۰ ہفتاد و شش ۵۷۶ھ ہی لکھا ہوا ہو، یہی حسن مخطوطات نمبر ۲۵۵۰۰ (مکتوبہ ۷۶۳ھ) نمبر ۲۷۲۶۰ اور دیگر قدیم نسخوں میں پایا جاتا ہے، اسی طرح طہران کے مطبوعہ اڈیشن میں بھی ہفتاد و شش موجود ہے، (دیکھو فہرست ریو جلد دوم ص۵۶۶) بمبئی کے پرنس آف ویلز میوزیم میں خمسہ نظامی کا ایک مخطوطہ مکتوبہ ۷۱۹ھ موجود ہے، اس میں بھی ہفتاد و شش ہی لکھا ہوا ہے۔

(ب) تاریخ وفات، :-

۱- مثنوی لیلیٰ مجنون ۵۸۴ھ میں لکھی گئی، جیسا کہ اس کے تاریخی حروف اور سال اتمام سے صاف ظاہر ہے،

کاراستہ شد بہ بہترین حال، در سلخ رجب بہ ثا و فا و آل،

تاریخ عیان کہ داشت باخود ہشتاد و چہار بعد پانصد،

اس مثنوی کی تصنیف کے وقت ان کے صاحبزادہ کی عمر ۱۴ سال کی تھی، چنانچہ اس کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں، :-

اے چاردہ سالہ قرۃ العین بالغ نظرِ علوم کونین،

اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، کہ مثنوی شیرین خسرو کی تصنیف کے وقت یعنی ۵۷۶ھ میں ان کے صاحبزادہ کی عمر سات سال کی تھی، اور ان کی عمر چالیس سال کی، اس طرح لیلیٰ مجنون خسرو شیرین سے سات سال کے بعد لکھی گئی، یا یوں کہو کہ ۵۸۴ھ میں ختم ہوئی، لہذا اس حساب سے نظامی کی عمر اس سنہ میں ۴۷ یا ۴۸ سال کی ہونی چاہئے،

۲- لیلیٰ مجنون کے ۲ سال بعد یعنی ۵۸۶ھ میں سکندر نامہ یا شرفنامہ کا آغاز ہوتا ہے، (کہ اس کا زمانہ تصنیف ۵۸۶ھ سے ۵۹۶ھ تک ہے) جیسا کہ اپنے صاحبزادہ کی عمر ۱۷ سال کی جو ۵۸۷ھ ہی میں ہو سکتی ہے، بتاتے ہوئے کہتے ہیں :-

وزین ہفدہ خصل آوریدن بدست

شدہ ہفدہ سالہ بدینسان کہ ہست[1]

اسی میں وہ اپنی عمر پچاس برس کی بتاتے ہیں، :-

چو تاریخ پنجہ در آمد بہ سال دگرگونہ شد بر نشانندہ حال،

[1] سکندر نامہ (شرف نامہ) ص۲۵، طبع بمبئی ۱۳۲۵ھ

یعنی ۵۴۶ھ میں نظامی کی عمر پچاس سال کی تھی، اس مثنوی کی تاریخ اتمام ۵۹۶ھ اشعار ذیل سے

معلوم ہوتی ہے :۔

بگفتم من این نامہ را در جہان	کہ تا دور آخر بود در جہان
بتاریخ پانصد نود ہفت سال	چہارم محرم بوقت زوال[۱]

۳۔ سکندر نامہ کا دوسرا حصہ یا اقبال نامہ ۵۹۹ھ میں اتمام کو پہنچا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں :۔

جہان بردہ ہم روز بود از ایار،

نود نہ گذشتہ ز پانصد شمار،[۲]

اس طرح ۵۹۶ھ سے لیکر ۵۹۹ھ تک سکندر نامہ (ہر دو حصہ) کی تکمیل ہوتی ہے اور اسی اثنا (غالباً ۵۹۹ھ)

میں وہ اپنی عمر ۶۰ برس کی بتاتے ہیں :۔

---

[۱] آغا احمد علی (ہفت آسمان ص۹۵) کو ان اشعار کی صحت میں کلام ہے، کیونکہ یہ اشعار سکندر نامہ جلد اول کے کسی نسخہ میں اُن کی نظر سے نہیں گذرے، علاوہ ازیں ان کے نزدیک ابیات کی رکاکت اور قافیہ کی تکرار اس کے موید ہیں، کہ یہ اشعار نظامی کے نہیں ہو سکتے، لیکن آغا صاحب کی یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی، خمسۂ نظامی کی کثرتِ اغلاط و تصحیفات پر نظر کرتے ہوئے بہت ممکن معلوم ہوتا ہے، کہ کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے ان اشعار کی صورت مسخ ہوگئی ہو، مگر اس میں شک نہیں ہے کہ ان اشعار سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے، تو یہ مصرعۂ تاریخی ایک سے زیادہ قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر ریو نے لکھا ہے، (جلد دوم ص۵۶۸) کہ برٹش میوزیم کے مخطوطات ۹۰۰ھ، ۱۱۱۱ھ اور ۱۱۱۸ھ میں یہ تاریخ موجود ہے، ڈاکٹر ہودی نے بھی اپنے مضمون میں جو نسخہ مکتوبہ ۱۱۲۰ھ کا ذکر کیا ہے، اس میں بھی یہ اشعار باختلاف بعض الفاظ پائے جاتے ہیں، اسی طرح بمبئی کے دو مطبوعہ نسخوں (۱۲۷۵ھ اور ۱۳۲۲ھ) میں بھی یہی اشعار موجود ہیں، پھر قرائن بھی اسی تاریخ کے موید ہیں، لہذا حصہ اول کا سنہ تصنیف ۵۹۷ھ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ [۲] سکندر نامہ بحری مرتبہ ڈاکٹر اسپرنگر، مطبوعہ کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی ص۱۹۰، خمسۂ نظامی کے ایک نسخہ مکتوبہ ۷۶۳ھ موجودہ برٹش میوزیم (فہرست ریو جلد ۲ صفحہ ۵۷۰) میں بھی یہی تاریخ موجود ہے۔

بشصت آمد اندازۂ سال من،

نگشت از خود اندازۂ حال من[۱]،

اس حساب سے ۵۹۹ھ میں سکندر نامہ ختم ہوا، اس وقت انکی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال کی ہوتی ہے،

۴۔ اب اُن اشعار کو لیجئے جو کسی نے سکندر نامۂ بحری یا اقبال نامہ کے آخر میں، "انجامش روزگار نظامی رحمتہ اللہ علیہ" کے عنوان سے الحاق کردیے ہیں، ان اشعار کا لکھنے والا غالباً جامع اوراق یا کاتب ہوگا، جو معلوم ہوتا ہے، کہ نظامی کے "دمِ واپسین" کے وقت حاضر تھا، اور جس کو نظامی کی عمر کا بھی صحیح علم تھا، ممکن ہے کہ وہ نظامی کا کوئی قریبی عزیز یا دوست ہو، بہرحال یہ اشعار قدیم ترین نسخوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور حسب ذیل ہیں :۔

نظامی چو این داستان شد تمام	بعزمِ شدن تیز برداشت گام
نبس روزگارے بر این برگذشت	کہ تاریخ عمرش ورق در نوشت
فزون بود شش مہ ز شصت و سہ سال	کہ بر عزم رہ بر دہل زد دوال
چون حال حکیمان پیشینہ گفت	حکیمان بخفتند وا و نیز خفت
رفیقان خود را بگاہ رحیل	گر از رہ خبر داد و گر از دلیل
بخندید و گفتا کہ آمرزگار،	بآمرزشم کرد امیدوار،
ز ما رحمتِ خویش دارید دور	شما وین سرا ما و دار السرور،
درین گفتگو بود خوابش ربود،	تو گفتی کہ بیدارِ خود خود نبود[۲]

اشعار مرقومۂ بالا سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، جو زیادہ قرین قیاس ہیں، ایک یہ کہ داستان سکندر نامہ ختم ہونیکے بعد بہت ہی قلیل عرصہ میں نظامی نے وفات پائی، دوسری یہ کہ انتقال کے وقت نظامی کی عمر ۶۳½ برس

---

[۱] سکندر نامہ بحری ص۹۰ طبع اسپرنگر [۲] سکندر نامہ بحری مرتبہ اسپرنگر ص۱۸۲،

کی تھی، لہذا اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے، کہ ۵۹۹ھ میں نظامی ۶۳ ½ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اور کہ ۵۹۹ھ میں یعنی اتمام سکندر نامہ کے ساتھ ہی ان کا بھی خاتمہ بالخیر ہوگیا، جیسا کہ ریو، ایتھے، باخر، اور براؤن کا خیال ہے، یا کم از کم یہ کہ وہ ۵۹۹ھ تک زندہ تھے،

پروفیسر شیرانی کی تحقیق اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پروفیسر محمود خان شیرانی ۶۰۶ھ تک نظامی کا زندہ رہنا بتاتے ہیں، چنانچہ اپنی تنقید شعر العجم میں فرماتے ہیں:-

"نظامی کی وفات کا حادثہ اقبال نامہ کے اختتام کے بعد تصور کرنا چاہیے،"

اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، لیکن آگے چل کر سکندر نامہ کی مختلف اشاعتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اس کی آخری اشاعت اتابک نصرۃ الدین ابوبکر کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے، اور ۶۰۶ھ میں اوس کی وفات کے بعد نظامی اسی کتاب کو نورالدین ارسلان شاہ کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔[1]

غالباً شیرانی صاحب کو مندرجہ ذیل اشعار پر سے دھوکا ہوا ہوگا، جو سکندر نامہ بحری کے بعض قلمی نسخوں میں پائے جاتے ہیں، اور جن کو ڈاکٹر ریو نے بھی نقل کیا ہے:-

طرفدار موصل بمردانگی، قدر خوان شاہان بفرزانگی،
سر سرفرازان گردن کشان، ملک عزالدین قاہر نشان
بطغرائے دولت چو طغرل نگین ابوالفتح مسعود بن نورالدین

آخری شعر میں مسعود بن نورالدین کا نام ہے، لیکن ان اشعار میں بھی شیرانی صاحب کے خیال کے مطابق نورالدین ارسلان نہیں، بلکہ اس کے بیٹے مسعود کا نام ہے، اور چونکہ قاہر کا لقب بھی موجود ہے، اس بنا پر ڈاکٹر ریو کو بھی مغالطہ ہوگیا کہ یہ الملک القاہر عزالدین مسعود ثانی بن نورالدین ارسلان سے، چنانچہ خمسۂ نظامی کے ایک مخطوطہ

[1] رسالہ اردو بابت جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۰، [2] فہرست جلد ۲ صفحہ ۵۶۵،

۵۶۸ھ میں اقبال نامہ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ریو رقمطراز ہے:-

"شروع میں ملک قاہر عزالدین مسعود بن نورالدین والی موصل کے نام پر انتساب ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے"

طرفدار موصل بمردانگی، الخ

الملک القاہر آخر رجب ۶۰۷ھ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا، (کامل ابن اثیر ج ۱۲ صفحہ ۱۹۱) اگر یہ انتساب واقعی نظامی کا لکھا ہوا ہے، تو اس سے معلوم ہوگا کہ نظامی اس تاریخ کے بعد تک بھی زندہ رہے ہیں، اور آخر میں بھی ملک عزالدین مسعود کی مدح پائی جاتی ہے[1]:

لیکن اس سے پیشتر ریو خود ہی لکھ چکا ہے کہ

"نظامی کی وفات کے متعلق اس تمہید (بنام عزالدین مسعود) سے شبہہ پیدا ہوتا ہے، کہ یہ تمہید بہت سے قدیم مخطوطات نیز مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے، اور سب سے بڑھکر اشتباہ انگیز امر تو یہ ہے، کہ بغور معائنہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سوائے ناموں کے یہ مدح تمام تر سکندر نامہ کے حصہ اول سے (جو ملک نصرۃ الدین کے نام پر معنون ہے،) نقل کر دی گئی ہے"

عزالدین بن قطب الدین مودود اپنے بھائی سیف الدین غازی کی وفات کے بعد ۵۷۶ھ میں موصل کا فرمانروا ہوا اور شعبان ۵۸۹ھ میں رحلت کر گیا، (دیکھو ابن خلکان اور کامل ابن اثیر ج ۱۲ صفحہ ۲۶)

ڈاکٹر باخر کا خیال ہے، کہ یہ تتمہ سکندر نامہ کی کسی اگلی اشاعت کا ٹکڑا ہے، چنانچہ ایک اتفاقی حوالہ سے جس میں نظامی کے صاحبزادہ کی عمر ۱۷ سال بتائی گئی ہے:- ع

شدہ ہفدہ سالہ بدینسان کہ ہست

ڈاکٹر باخر نے قیاس کیا ہے کہ چونکہ لیلی مجنوں کی تصنیف (۵۸۴ھ) کے وقت نظامی کے صاحبزادے کی عمر ۱۴ سال کی تھی اسلئے یہ تتمہ اس کے تین سال کے بعد یعنی ۵۸۷ھ میں لکھا گیا ہوگا۔[2]

[1] ضمیمہ فہرست مخطوطات ریو صفحہ ۱۵۳ تا صفحہ ۱۵۵، [2] فہرست مخطوطات جلد دوم صفحہ ۵۶۹

بہرکیف اگر یہ عہد صحیح ہو تو بھی یہان عزالدین مسعود سے مراد پوتا نہین، بلکہ دادا ہے، جیسا کہ آخری مصرع مین اوس کی کنیت ابوالفتح اس پر صریحاً دلالت کر رہی ہے، اس لئے با آخر کا یہ خیال صحیح ہے، کہ سکندر نامہ کی اگلی اشاعت اسی کے نام سے منسوب کی گئی ہو، پروفیسر براؤن کے قول سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے:-

سکندر نامہ پہلے عزالدین مسعود (اول) اتابک موصل کے نام معنون کیا گیا، اور بعد مین نظر ثانی کے بعد اوس کی دوسری اشاعت نصرۃ الدین ابوبکر بشکین کے نام منسوب کی گئی، جو اپنے چچا قزل ارسلان کے بعد ۵۸۷ھ مین اتابک آذربائیجان کی حیثیت سے اُس کا جانشین ہوا[۲]

مندرجہ بالا بیانات کی بنا پر پروفیسر شیرانی کے اس خیال کی کما حقہ تردید ہو جاتی ہے، کہ نظامی نے ۵۸۶ھ کے بعد اسی کتاب کو نورالدین ارسلان کے نام سے منسوب کیا،

---

[۱] ابن خلکان جلد دوم ص۹۳، [۲] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص۴۰۲،

شعر العجم

حصہ اول

فارسی شاعری کی تاریخ جس مین شاعری کی ابتدا از عہد بعہد کی ترقیون اوران کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اوراسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اوران کے کلام پر تنقید وتبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۵۰ صفحے، قیمت ۳ے ر

حصہ دوم

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت :- عا ر

"منیجر"

گجراتی زبان اور اوسکی تاریخ،

(ماخوذ از تاریخ گجرات زیر ترتیب مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی)

ہندوستان مین جو دوسری ترقی یافتہ زبانین ہین، ضرورت ہے کہ ہم اون کی تاریخ خصوصیات اور اونکے لٹریچر سے واقف ہون خصوصاً گجراتی اور سندھی ایسی زبانین ہین جن کا تعلق اردو سے بہت پرانا ہے، ہم چاہتے ہین کہ ان زبانون کی مختصر تاریخ اور لٹریچر سے اہل اردو کو مطلع کرتے رہین، اور اس سلسلہ کا ہم گجراتی زبان کی تاریخ سے آغاز کرتے ہین،

یہ مضمون مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی نے اپنی تاریخ گجرات کے لئے، حماد ویالی احمد آباد کے اپنے ایک شاگرد سے انگریزی مین لکھوایا تھا، اور پھر انگریزی سے اوسکا اردو مین ترجمہ کرایا تھا،

"اڈیٹر"

تاریخ گجرات کے طالب علمون کے لئے اور اون کے لئے جو گجرات کے باشندون کو اور اون کے رسوم ورواج اور خصوصیات کو جاننا چاہتے ہون، گجراتی زبان کی تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے،

ہر پُرانی قوم کی تاریخ کی طرح گجرات کی قدیم تاریخ اور اوس کا لٹریچر بھی گمنامی مین رہا ہے، اور یہ کہنا بہت دشوار ہے، کہ ایام قدیم اور متوسط زمانون مین گجرات مین کوئی لٹریچر موجود بھی تھا، اور اگر کوئی تھا، تو وہ کس قسم کا تھا،

"جب آریہ" ہندوستان کی طرف ہجرت کرکے آئے، تو پہلے پہل وہ گجرات مین نہین آئے، مگر ایک بڑی مدت کے بعد یہ جوا

کر وہ جنوب کی جانب پھیلے، بعد میں گجرات کی طرف، از منۂ متوسط مین بہت سی قومین مثل آریون کے گجرات پر حملہ آور ہوئین، اُن مین سے خاص خاص قومین ہنس، گرجرز، (گوجر) عرب، پٹھان وغیرہ تھین، پارسیون نے بھی جو مسلمانون کے عہد مین ایران سے بھاگ کر آئے تھے، گجرات مین پناہ لی تھی، یہ تمام اجنبی قومین اور جماعتین رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے ملتی جلتی گئین، اور اپنے رسوم اور تہذیب و تمدن کو گجراتی سوسائٹی مین بھی داخل کردیا، اور گجراتی سوسائٹی نے اپنا بہت کچھ اثر ان پر ڈالا، اسطرح سے وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کے ملنے جلنے سے ایک جماعت کی خصوصیات کو دوسری جماعت نے اختیار کرلیا، یہ مختلف جماعتین ایک طریقہ پر متحد ہوگئین، ان کے طریقے اور رسوم مشترک ہوگئے، ان کا تمدن ایک ہوگیا، اور اون کی سوسائٹی متحد ہوگئی، اور اس طرح انکی تاریخ زبان اور لٹریچر نے باہم ملکر ترقی کی،

تا ایا ز" کی زبان کو چھوڑکر ایسا یقین کیا جاتا ہے، کہ صرف سنسکرت ہی تمام ہندوستان کی مشترکہ زبان ہونی چاہئے، بہت سی ملکی اور غیر ملکی زبانین اس وقت کی سنسکرت کے ساتھ مل جل گئین، اور یہ تمام زبانین آپس مین ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئین، اس طرح سے ان زبانون مین سے ہر ایک زبان نے کچھ اپنا کھویا کچھ دوسری زبان سے لیا، اور جس کو جذب کرسکے چھوڑ دیا، برہمنون اور اعلیٰ طبقہ کے لوگون کو خاص کر سنسکرت پڑھنے کا عام طور سے حق حاصل تھا، اور یہ تکلیف دہ امر ہے، کہ اسطرح دوسری جماعتون کا اس بڑے تمدن کی زبان کے ساتھ تصادم نہین ہوسکا، تعلیم اور تمدن کا فقدان، تلفظ کی دشواریان اور ادنیٰ جماعتون کی جہالت بعض وہ وجوہ ہین جن سے سنسکرت عوام مین دخل نہ پاسکی، اور مستقل اور عام طور پر مقبولیت نہ حاصل کرسکی، تہذیب و تمدن کے طالب علم سنسکرت کا مطالعہ کرتے تھے، اور شایستہ سوسائٹی کی زبان بھی ایسے وقت مین سنسکرت تھی، جب کہ سوسائٹی کے بعض اشخاص ٹوٹی پھوٹی سنسکرت پراکرت بولتے تھے، اب سنسکرت نے اپنی ممتاز جگہ کو کھونا شروع کیا، ایسے موقع پر آریہ قوم کا قیام ہندوستان کے شمالی حصہ مین نہین معلوم ہوتا تھا، بلکہ وہ گجرات اور دیگر جنوبی صوبون مین چلے گئے تھے، آریون کے دور دراز صوبون مثل گجرات اور بنگال مین چلے جانے آمد و رفت کی

سلہ بہ تعلق غلط ہے بلکہ ایرانی لوگ مسلمانون سے پہلے ملک گجرات مین تجارتی آمد و رفت رکھتے تھے مسلمانون کے ایران پر قابض ہوجانے کے بعد وہ تجارتی سلسلہ ٹوٹ گیا، تو وہ یہین رہ پڑے، (ابو ظفر)

سہولتین نہ ہونے، مختلف آب و ہوا، اور ملکی اور غیر ملکی جماعتون کے آپس مین ملنے جلنے کے نتیجہ پر ہوا کہ سنسکرت کی مختلف شاخین نکل آئین، پراکرت، پالی، مگدھی، اردھ مگدھی وغیرہ پراکرت کی مختلف شاخین ہین،

علاوہ اس کے پراکرت خود خراب ہوگئی، اور اس سے ایک اور زبان "اپبھرامشت" پیدا ہوئی، "اپبھرامشت" از منۂ متوسط مین گجرات کی زبان تھی، "سدھ راج جے سنگھ" کے زمانہ کے پنڈت "ہیمچند سوری" نے "اپبھرامشت" زبان کے قواعد اُس وقت لکھے تھے، جب کہ ہندوستان کی دیگر صوبہ وار زبانون مین کسی زبان کو یہ فخر حاصل نہ تھا، "اپبھرامشت" مین بھی بہت سی تبدیلیان ہوئی ہین، ہر ایک صوبہ کو اپنی خاص زبان رکھنے کا فخر تھا، ہندی، دراج، مارواڑی، بنگالی، مرہٹی اور گجراتی زبانین وجود مین آئین، مارواڑی زبان یا تو گجراتی زبان کی شاخ یا اوسکی مختلف شکل یا ہندی اور گجراتی دونون ملی ہوئی زبانین ہین، ان زبانون مین بھی صوبہ وار زبان کی خصوصیات پائی جاتی تھین، ہر ایک زبان صاف اور مہذب ہونے لگی، اس طرح سے ہماری موجودہ متمول گجراتی زبان جو قریباً ایک کروڑ انسانون کی مادری زبان ہے، وجود مین آئی،

اس نے اپنی بعض اصلی خصوصیات کو قائم رکھا ہے، اور نئی خصوصیات اور دوسری زبانون کی خاص خاص باتین اُن سے وقتاً فوقتاً ملنے جلنے سے حاصل کرلی ہین، سنسکرت گجراتی کا مخرج ہے، اور یہی وجہ ہے کہ گجراتی زبان سنسکرت زبان کی خصوصیات اور دیگر اوصاف سے پر ہے، گجراتی کی لغت مین بہت سے سنسکرت کے الفاظ ہین، اور یہ الفاظ دو قسم کے ہین، ان مین سے بعض وہ الفاظ جو قسم اول سے تعلق رکھتے ہین اپنی اصلی سنسکرت کی شکل مین ہین، اور باقی ماندہ الفاظ دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہین، گو علم اللغۃ کے قواعد کی وجہ سے ان مین قدرے تبدیلی واقع ہوگئی ہے، لیکن پھر بھی وہ الفاظ سنسکرت سے لے گئے ہین، جو الفاظ قسم اول سے تعلق رکھتے ہین، بہت ہین، اور ہم ان مین سے بعض الفاظ مثال کے طور پر ذیل مین دیتے ہین، ان تمام الفاظ کا شمار کرنا اتنا ہی دشوار امر ہوگا جتنا کہ ایک ڈکشنری کا تیار کرنا، لیکن ان مین سے بعض الفاظ جو عام طور پر داخل ہوگئے ہین، انھین انتخاب کرلیا ہے، اور وہ یہ ہین،

سنگیت، ودھا، بدھی، مت، شریر، آتن، منتر، ایشور، پشو، بکشتی، شاستر، تھاگ، النکار، سنسکار، آنیب، ناری، ندی، لکشمی، پتنگ، مستک، جنم، نام، ودوان، پنڈت، سرناسور، گرگ، بھگتی، ششٹ، دنبتی، اندر، بید وغیرہ، ان الفاظ مین

سے بہت سے الفاظ کو مِن یا کو جا مین بدل دیا گیا ہی یوان جوان بن جاتا ہے، اور یتی جتی مین تبدیل ہوجاتی ہے، علم اللغۃ کے قواعد کے مطابق بہت سے الفاظ مین تغیر و تبدل واقع ہوا ہے سنسکرت سے اون کو پراکرت مین لیا گیا تھا، اور پراکرت سے انھین اپابراہنت مین داخل کیا گیا تھا، اور وہان سے انھین گجراتی مین شامل کرلیا گیا تھا، ان تمام الفاظ کو جنھین تبدیلیان واقع ہوئی تھین، اس مختصر مضمون مین شامل نہین کیا جاسکتا ہے، لیکن ایک عام قاعدہ کا بیان کردینا کافی ہوگا، جس سے یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے، جس سنسکرت لفظ کے آخر مین "اک" واقع ہو، وہ پراکرت یا اپابراہنت مین "اٹ" مین تبدیل ہوجاتا ہے، اور پھر وہ گجراتی "او" مین تبدیل ہوجاتا ہے، مثلاً:۔

سنسکرت،	پراکرت یا اپابراہنت،	گجراتی،
دنتک،	دنتٹ،	دنتو،
مرکنک،	مکنٹ،	ماکنو،
پرسترک،	پتھرٹ،	پتھرو،
کرنک،	کنیٹ	کانو
رسک،	رسٹ،	رسو،
بھارک،	بھارٹ	بھارو وغیرہ،

جس سنسکرت لفظ کے آخر مین "ک" واقع ہو، وہ گجراتی مین "آ" سے بدل جاتا ہی، مثلاً:۔

سنسکرت،	پراکرت یا اپابراہنت،	گجراتی،
دنک	دنتو	دان،
کرگ،	کنیتھو،	کان،
ہست، (؟)	ھتو،	ہاتھ،
رسن (؟)	رسو	رس،

اس طرح سے گجراتی لفظ کا مخرج عام طور پر سنسکرت مین ملتا ہے، اور گجراتی لغت کا زیادہ تر حصہ ایسے الفاظ کا ہوتا ہے، جو یا تو سنسکرت ہوتے ہین، یا جو سنسکرت سے لئے جاتے ہین، اور جنھین علم اللغۃ کے قواعد کے مطابق تبدیلیان ہوتی رہتی ہین، گجراتی زبان پر سنسکرت کا اثر بہت زیادہ ہے، اس سے ہم یہ دیکھ سکتے ہین، کہ سنسکرت کا اثر گجراتی پر بہت مضبوط ہے، اور اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے، اور وہ یہ ہے، کہ گجراتی اور دیگر صوبہ وار زبانین اپنی اصلی زبان سنسکرت سے نکلی ہین، لیکن بوجہ زمانہ گذر جانے کے، اور غیر ملکی لوگون کے ساتھ بہت عرصہ تک میل جول رکھنے کے، اور غیر ملکی زبانون کو اون کی اصلی غیر تبدیل شدہ حالت مین جذب کرنے کی قابلیت نہ ہونے کے بہت سی تبدیلیان واقع ہوگئی ہین، اور نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ صوبہ وار بول چال کی دو زبانین بن گئی ہین،

دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھنے سے اور علم اللغۃ کے دوسرے عام قاعدہ کو لینے سے مذکورۂ بالا حقیقت اور زیادہ صاف طور سے معلوم ہوتی ہے، کوئی زبان بغیر تبدیل ہوئے نہین رہ سکتی، ہر سو سال مین کچھ نہ کچھ تبدیلیان ضرور ہوتی ہین، اور یہ تبدیلیان کچھ اس غیر معلوم طریقہ سے ہوتی رہتی ہین، کہ وہ آسانی سے نظر نہین آسکتی ہین، مزید یہ کہ وہ اتنی سرعت کے ساتھ ہوتی ہین کہ وہ شخص بھی جو جانتا ہے، اور زبان کی تنقید کرتا رہتا ہے، ان کی غیر معلوم رفتار پر قہقہہ لگانے مین پس و پیش نہین کریگا، اس طریقہ سے تمام صوبہ وار زبانین مثلاً گجراتی، بنگالی، ہندی، مرہٹی، وغیرہ سنسکرت سے مختلف اور علحدہ ہین، اور دوسری طرف سے نظر ڈالنے سے ہم کو مشترک ہونے کا کچھ اندازہ ہوجاتا ہے، گجراتی، بنگالی، ہندی، مرہٹی وغیرہ تمام خاص طور پر ایک دوسرے سے علحدہ ہین، ایک صوبہ کا باشندہ دوسرے صوبہ کی بات چیت یا زبان نہین سمجھ سکے گا، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ یا تو لغت یا ایک صوبون کی زبانون کے قواعد مین اشتراک ضرور معلوم ہوگا، اس سے ایک صوبہ کے باشندے کو دوسرے صوبہ کی زبان کا مطالعہ کرنے مین بہت مدد ملتی ہے، اس قاعدہ کے مطابق دنیا کی تمام زبانین خواہ وہ کتنی ہی مختلف اور جدا ہون، تمام ایک دوسرے سے ان طریقون پر وابستہ کردی گئی ہین،

ان غیر معمولی حالات کے ماتحت زبانون کے علم اللغات کا ارتقاء ہوا ہے، گجراتی زبان سنسکرت کی بہ نسبت زیادہ تر نازک ہوگئی ہی، کیا ماں کے حسن اور نزاکت کے ورثہ سے اس کی لاڈلی بیٹی ہمیشہ محروم رہ سکتی ہے، اس بحث کو کہ گجراتی کا

سنسکرت کے ساتھ کیا رشتہ تھا، طول دینے کی ضرورت نہین ہے، اب ہم یہ دیکھین گے، کہ گجراتی زبان دوسری زبانون کی کہانتک زیر بار احسان ہے، ہندوستان کی اصلی زبان "دیشیا" کہلاتی تھی، اس زبان کے بعض الفاظ چند تبدیلیون کے بعد گجراتی مین داخل کرنے گئے ہین، ان مین سے بعض یہ ہین:-

دیشیا	گجراتی
کڈایو،	کڈیو،
کوئیلا،	کوئیل،
ڈینگاراو،	ڈونگرو،
پدن چا،	نیاچ،
اودسرایو،	اوسری،
اوکھیا،	اکھیون،
مکاڈہ،	نکون،

اس کے علاوہ کھابو، شانہ، ڈالبجو، بامیان، نیستی بجانڈے، ڈھانکے، کھانڈے، جابانی، ڈھیکون، وغیرہ تمام دیشیا الفاظ ہین،

گجراتی کا مرہٹی زبان کے ساتھ بھی رشتہ بہت قدیم ہے، مرہٹی زبان کا اثر قدرے گجرات کے قدیم ترین شاعر "نیاچ" مین بھی پایا جاتا ہے، کبھی کبھی وہ مرہٹی لفظ "چا" جو اسم جنس کے آخر مین واقع ہوتا ہے، بے تکلف استعمال کرتا ہے، اس کی نظمون مین سے ایک نظم مین بہن چار یا پانچ سطرین خاص مرہٹی کی ملتی ہین، مسلمانون کی حکومت کے بعد مرہٹون نے گجرات پر کچھ وقت تک حکومت کی، اور اس سے مرہٹی کا اثر گجرات پر اور زیادہ ہو گیا، اس وقت بھی شہر بڑودہ کی تقریباً نصف آبادی مرہٹون اور دکنیون کی ہو،

کاٹھیاواڑ کے گجراتی بولنے والے کاٹھی اور امیر جب کبھی وہ ادب کے ساتھ کسی معزز خاتون سے مخاطب ہوتے ہین، تو وہ لفظ آئی کو جو مان کے لئے مرہٹی لفظ ہے، بے دریغ استعمال کرتے ہین، گجراتی شاعر پریمانند جس نے مرہٹون کی حکومت کی ابتدا مین ترقی کی بعض وقت اپنی نظمون مین لفظ "ذریل" استعمال کرتا تھا، جو خالص مرہٹی زبان کا لفظ تھا، ان کے سوا الفاظ مثل "آئی" "نانی"، وغیرہ بہت زیادہ عام ہو گئے ہین، گجراتی مرہٹی کی نسبت ہندی سے زیادہ صاف طور پر مناسبت رکھتی ہے، ہندی اور "ورانج" کا گجراتی پر اتنا مضبوط قبضہ تھا کہ دیارام، پریمانند، نرسنگھ، اور میران، جیسے بڑے شاعر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکے، دیارام کا دیوان شاید ہندی مین گجراتی کے بہ نسبت زیادہ ہے،

ہندوستان بحیثیت مجموعی عدم تشدد کے مسلک پر کاربند ہے، اور گجرات زیادہ کاربند ہے، گجرات کی زبان بھی اس صوبہ کے لوگون کی طرح نازک واقع ہوئی ہے، کہا جاتا ہے کہ گجراتی زبان اس قدر نرم اور نازک ہے، کہ اس زبان مین کوئی شخص غصہ کا اظہار کافی طور سے نہین کر سکتا ہے، جب کبھی کسی گجراتی کو غصہ آتا ہے، تو وہ جان بوجھ کر یا بغیر جانے ہندی مین غصہ کا اظہار کرتا ہے، گجرات کی تاریخ مین ایک ایسا زمانہ بھی تھا، جب کہ گجراتی مین نظم لکھنا ذلیل کام خیال کیا جاتا تھا، بہترین (اعلیٰ تہذیب یافتہ) شاعر وہ شخص ہوتا تھا، جو یا تو ہندی یا سنسکرت مین نظمین لکھتا تھا، اس دھبہ کو گجرات کے بڑے شاعر پریمانند نے دور کر دیا، اور اس نے مادری زبان کی ترقی کے لئے مصمم ارادہ کر لیا، مگر وہ بھی ابتدا مین اس دھبہ سے بچ نہ سکا، ہندی کا تسلط گجراتی پر اس قدر تھا کہ اس زبان کا گجراتی پر اثر ہونا لازمی امر تھا، خود پریمانند نے ہندی لٹریچر کی نقل مین نظمین لکھنے کا کام اپنے لڑکے اور اپنے خاص شاگرد وآلبھ کے سپرد کر دیا، بعض "تاریخی لٹریچر" اور بڑی نظمین نیم تاریخی لٹریچر کی ہندی کی نقل ہین،

گجرات کا صوبہ تجارتی میدان کے لئے مشہور ہے، ہندوستان تمام دنیا کی تجارت کا مرکز سمجھا جاتا تھا، اور دنیا کو اپنا مال و اسباب مہیا کرتا تھا، ہندوستان کا دوسرے ملکون کے ساتھ تعلق عام طور پر سمندر کے راستون کے ذریعہ تھا، اور گجرات ان راستون کی کڑی تھا، بھروچ، سورت، اور کھمبایت، گجرات کے خاص اور قدیم ترین بندرگاہ تھے، نہ صرف گجرات، بلکہ ہندوستان کا تجارتی کاروبار انھین بندرگاہون کے ذریعہ کیا جاتا تھا، قدیم ترین

غیر ملکی سوداگر جنھوں نے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنی شروع کی، وہ عرب تھے، ہندوستان اور عرب کے سوداگروں کے درمیان تجارتی رشتہ (مسیح سے پہلے) موجود تھا، اس لئے بعض عرب سوداگروں نے کھمبایت اور گجرات کے بندرگاہوں پر سکونت اختیار کرلی، کھمبایت عربوں کا خاص مرکز تھا، اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کہ گجراتی زبان کا اثر ان کے ہوا، اور یہ اتصال مسلمانوں کی حکومت کے بعد اور زیادہ مضبوط ہوگیا، ساتوین صدی عیسوی کے بعد مسلمان ہندوستان کے بہت سے مختلف حصوں میں اور زیادہ بستے چلے گئے، پٹھان، مغل، ترک، عرب اور بہت سی دیگر مسلم قومیں ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں، اس کا اثر گجرات پر ہوا، اور وہ اس اثر سے بچ نہیں سکتا تھا، محمود غزنوی نے ہندو بادشاہ بھیمدیو (بھیم دیو) کے زمانہ میں گجرات پر حملہ کیا، لیکن وہاں سکونت اختیار کرنے کے بجائے وہ سومناتھ دیو کے بڑے مندر کو لوٹ کر وہاں سے چلا گیا، اس کے بعد شہاب الدین غوری نے چھوٹے بھیمدیو کے زمانہ میں گجرات کو لوٹنے کی حتی الامکان کوشش کی، لیکن گجرات کو دراصل علاؤ الدین خلجی نے آخری ہندو بادشاہ کرندیو (کرن دیو) سے، بوجہ خانگی مناقشات کے فتح کیا، اس وقت گجرات کی راجدھانی کو انہل واڑا پاٹن سے احمد آباد اساول (موجودہ اساودا) کے قریب منتقل کر دیا، اور اس کی بنیاد احمد شاہ نے [illegible] میں رکھی، اس وقت سے احمد آباد گجرات کی راجدھانی ہی ہے، محمود بیگڑا نے محمد آباد کی بنیاد ڈالی، اور جونا گڈھ اور چمپانیر کے قصبوں کو فتح کیا، اب مسلمانوں نے بغیر کسی رکاوٹ کے تمام گجرات اور کاٹھیاواڑ پر حکومت کرنا شروع کر دی، یہ پہلے ہی سے بتا دیا گیا ہے، کہ سوسائٹی اپنا اثر لٹریچر پر ڈالتی ہے، لٹریری اور سیاسی تاریخیں دونوں میں کچھ نہ کچھ اشتراک ضرور ہے، ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا، مسلمانوں نے مسلسل صدیوں تک گجرات پر حکومت کی، اور اس وجہ سے آجکل کی انگریزی زبان کے اثر کی طرح فارسی اور عربی کا بہت کچھ اثر گجراتی پر ہوا، یہی وجہ ہے کہ گجراتی کی لغت میں فارسی اور عربی کے الفاظ پائے جاتے ہیں، اور معمولی طالب علم کے لئے ان الفاظ میں جو بہت زیادہ عام ہوگئے ہیں فرق معلوم کرنا قدرے دشوار ہے، ان میں سے بعض الفاظ مخلوط نہیں ہوئے ہیں، اور دوسرے الفاظ نے علم لغت کے قواعد کے مطابق اپنی اصلی شکل ترک کر دی ہے، اور وہ گجراتی الفاظ بن گئے ہیں، جیسا کہ ہم انھیں آج پاتے ہیں، ایسے فارسی اور عربی الفاظ میں سے چند الفاظ ہم ذیل میں ان کی اصلی اور مخلوط شکلوں میں دیتے ہیں،

مشکل، قول، تیجانو، حیران، عیب، غیر حاضر، امامت (امانت)، پردو، اثر، ہماروں، خزانوں، ڈگلو، پیرہن، باغ، بغیچہ، غلیچہ، ریزو، مادرن، کھانا، کھاتون، دیوانو، نا لو، نزانو، خرلطیہ، جامو، دامو، انگھاروں، نجو، کاوا، تکیو، شیشیو، حصو، محلو، ہمیشو، غریب، غلام، سال وغیرہ، یہ تمام الفاظ اس قدر مانوس ہوگئے ہیں، کہ گجراتی بولنے والے ان الفاظ کو اپنی روزمرہ کی بات چیت میں بے دریغ استعمال کرتے ہیں، اور ان فارسی اور عربی الفاظ کو جو بول چال میں اور تحریروں میں بھی اتنے عام ہوگئے ہیں، کہ ترک کر دینا قطعی بے سود، اور عملاً ناممکن ہے، ایسی تباہ کن تجویز کا تصور کرنا بھی محض مضحکہ انگیز ہے، مزید یہ کہ خود گجرات کے مسلمان بھی اپنے گھروں میں گجراتی بولتے ہیں، اُن کی اردو بہت ہی زیادہ خراب ہے، اور وہ ایک گجراتی اُردو زبان بن گئی ہے، اس طرح سے گجرات کے ہندو اور مسلمان دونوں قومیں ایک مشترکہ زبان بولنے لگی ہیں، اور انھوں نے بہت سے مشترکہ تمدنی رسوم و رواج اختیار کرلئے ہیں اس اتحاد نے اُن کی بہت سی قومی تمناؤں کی پرورش کی ہے، ایرانی خصوصیات گجرات کی سوسائٹی اور زبان میں پائی جاتی ہیں، ضمیر اتصالیہ "گر" فارسی "گر" سے لیا گیا ہے، قریباً تمام اصطلاحات جو گجرات کی عدالتوں اور کچہریوں میں استعمال ہوتی ہیں، وہ یا تو عربی سے یا فارسی سے لی گئی ہیں،

یہ ایک قاعدہ ہے کہ جب کوئی غیر ملکی قوم دوسری قوم پر حملہ کرتی ہے، تو حملہ کرنے والی قوم انصاف کے نظم و نسق میں بہت سے اپنی ہی زبان کے الفاظ داخل کرتی ہے، یہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ پہلے پہل نئی حکومت کی نگرانی کا دارومدار محض اس کی فوج اور عدالتوں پر ہوتا ہے، وہ الفاظ بھی جو پہننے کے متعلق استعمال ہوتے ہیں، وہ بھی یا تو فارسی سے لئے گئے ہیں، یا عربی سے، اس زمانہ کا عدالتی لباس خالص اسلامی لباس تھا، اس کی ایک وجہ اوپر بتائی جا چکی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لباس جو کمر تک پہنا جاتا ہے، وہ مسلمانوں ہی کے زمانہ کا تحفہ ہے مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں جو ہندو وزیر اور پردھان کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے، وہ ناگر اور کایستھ جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے، ہندو اچھے حساب دان تھے، "ناگر" اور "کایستھ" جماعتوں کی طبیعت کا رجحان چونکہ سیاسی تھا، اس لئے وہ عدالتوں اور درباروں سے میل جول رکھتے تھے، اُس زمانہ کی عدالتی زبان فارسی تھی، اور ان کو یہ زبان

سیکھنا پڑتی تھی، اور وہ اسکو سیکھتے تھے، اس لئے دوسرے ہندوؤن نے بھی فارسی سیکھنا شروع کر دیا، اور اس غیر ملکی زبان کے اتصال کا اثر ان کی مادری زبان کو مالدار بنانے مین فائدہ مند ثابت ہوا، ناگرون مین فارسی زبان مین گفتگو کرنا ایک فیشن تھا، اور آج بھی ہم ان ناگرون، اور کایستھون کو اس زبان سے خوب واقف پاتے ہین، یہ مسلمانون کی حکومت کا اثر تھا کہ بہت سے فارسی اور عربی کے الفاظ گجراتی زبان مین داخل کر لئے گئے تھے، اب ہم یہ دیکھین گے کہ دوسری کس قوم اور زبان نے گجراتی زبان پر اثر ڈالا ہے؟

انگریزون کے آنے سے پہلے فرانسیسی اور ڈچ ہندوستان مین تجارتی اغراض کیلئے بس چکے تھے، ڈچ زیادہ مدت تک نہ رہ سکے، لیکن پرتگیز اور فرانسیسیون نے ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات بہت مدت تک قائم رکھے، انھون نے اپنے تجارتی مرکز قائم کئے، "گووا" اور "دمن" اب تک پرتگیز کے قبضہ مین ہین، گجرات کا تجارتی تعلق ان لوگون کے ساتھ تھا، اور اس وجہ سے بہت سے تجارتی الفاظ پرتگیزی سے لئے گئے تھے، ان مین سے حسب ذیل الفاظ ہین، آپوس (آم) پاتری (رام) اناس، کافی، کاجو، اسکوپڑا، پڈری، بٹاٹا، ٹماٹا، تمباکو، انگریز، اجنیر (انجینیر) وغیرہ وغیرہ۔

اس کے سوا گجراتی زبان نے بہت سے ملکون اور صوبون کی خصوصیات اختیار کرلی ہین، گلی ڈنڈا گجرات کا خاص کھیل ہے، اس کھیل کے اصطلاحات "تامل زبان" سے لئے گئے ہین، مثلاً وکات، لین، ٹلھ، ناز وغیرہ، الچی، کنوی لفظ ہے، اس طرح سے تامل، کنڑی اور دیگر جنوبی دور دراز ملکون کی زبانون سے بھی گجراتی زبان کے لغت نے بہت کچھ حصہ لیا ہے، ان کے علاوہ بنگالی زبان کا بھی اثر گجراتی زبان پر ہو رہا ہے، اگر کسی صوبہ کی زبان نے گجراتی زبان پر زیادہ اثر ڈالا ہے، تو وہ یقیناً بنگالی زبان ہی ہے، فی الحال بہت سے بنگالی زبان کے ناولون اور کھیلون کا ترجمہ گجراتی مین ہو رہا ہے، کلکتہ کی تجارتی جماعت کا بہت بڑا حصہ گجرات کے لوگ ہین، گجرات مین بھی ہم بہت سے آدمیون کو بنگالی زبان کا مطالعہ کرتے ہوئے پاتے ہین، گجراتی لفظ "تماشے" جو انگریزی لفظ "سرکس" کے برابر ہے، خالص بنگالی زبان کا لفظ ہے،

اب ہمین یہ دیکھنا ہے، کہ ہماری موجودہ کورٹ لنگویج (عدالتی زبان) یعنی انگریزی زبان کا گجراتی زبان پر

کہان تک اثر ہوا ہے، انگریز ہندوستان پر ڈیڑھ صدی سے حکومت کر رہے ہین، انگریزی تعلیم کے متعلق بعض قوانین ہندوستان مین ۱۸۳۵ء مین نافذ کئے گئے تھے، ہندوستانیون کو انگریزی تعلیم دینے کی اسکیم تیار کی گئی تھی، اور ان کو کلرک اور غلام بنانے کیلئے یونیورسٹی اور سکنڈری (ثانوی) تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ دیا جانا تجویز کیا گیا تھا، اور یہ طریقہ تمام تعلیم گاہون مین اب تک جاری و ساری ہے، لارڈ میکالے نے جس نے انگریزی زبان کو تعلیمی ذریعہ قرار دینے کے متعلق اپنے خیال کا اظہار کیا تھا، ابتدا ہی مین یہ اعلان کر دیا تھا، کہ اس اسکیم سے ہندوستانی ذہنیت عیسائی خیالات مین تبدیل ہو جائیگی، اور فی الواقع حالت یہی ہے، تعلیمی ذریعہ کے لئے حکمران کی زبان کو مادری زبان پر ترجیح دی گئی ہے، اور اس طرح سے جبراً اسے ملکی زبان پر غالب کر دیا گیا ہے، اس طرح سے انگریزی کے بہت سے الفاظ بول چال، تقریر، سائنس، تاریخ اور جغرافیہ کے گجراتی ڈکشنری مین داخل کر لئے گئے ہین، سائنس کے قریب قریب تمام الفاظ انگریزی زبان سے لئے گئے ہین، یہی حالت انجینیرنگ کے متعلق الفاظ کی ہے، یہ اس لئے ہے کہ تمام سائنس مغرب ہی سے متعلق ہے، ان موجودہ اختراعات کے لئے گجراتی زبان مین اردو الفاظ نہین ہین، اس سے ایک فائدہ یہ ہوا ہے، کہ ڈکشنری کے الفاظ مین اضافہ ہو گیا ہے، ہین ان مین سے بعض وہ الفاظ درج کرون گا، جو روزانہ استعمال ہوتے رہتے ہین، مثلاً ٹیبل، کوٹ، پوسٹ آفس، پوسٹ کارڈ، کورٹ، جج، مسٹر، ماسٹر، سائنس، اسکول، کالج، اسٹیشن، ریلوے، ٹرین، کلاس، برج، پیپر، گلاس، مشین، بائیسکل، موٹر کار، انجن، انجینیر، الیکٹریسٹی، پولیس، گیٹ، انجن، یونیورسٹی، گیٹر، نیکٹائی، بل وغیرہ وغیرہ

رسم و رواج، آداب نیز پوشاک کے لئے بھی انگریزی الفاظ لئے گئے ہین، ہمین فورج، عدالت، ملکی نظم و نسق تعلیم اور مغربی تہذیب کی چیزون کے لئے بھی انگریزی الفاظ گجراتی مین ملتے ہین، ایک وقت وہ تھا، کہ تمام گجرات بلکہ تمام ہندوستان مین انگریزی زبان مروج ہو چلی تھی، لیکن خوش قسمتی سے قومیت کے جذبہ کے بیدار ہونے سے متذکرۂ بالا حالت بہت تیزی کے ساتھ بدل رہی ہے، اور مادری زبان کے ساتھ محبت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنسکرت کے الفاظ بھی بنائے جانے لگے ہین، ہم نے یہ اکثر دیکھا ہے کہ سوسائٹی اور علوم و فنون ہمیشہ دونون باہم منسلک

رہے ہین، اور لوگ جان بوجھکر یا بغیر جانے بوجھے اپنی ضروریات کے مطابق نئے الفاظ بنا لیتے ہین، گویا نئی تحریک نے نئے نئے دوریاتین الفاظ کو باہم ملا کر نئے الفاظ یا پرانے الفاظ کو نیا جامہ پہنا کر بنائے ہین، چونکہ آج کل تحریک عدم تعاون خوب زور پر ہے، زبان اور لٹریچر بھی نئے قالب اختیار کر رہے ہین، گو پہلے لفظ کا پرتین (تعاون) تھا، اب نیا لفظ نان کوآپریشن (عدم تعاون) مروج ہوگیا ہے، اور "سول ڈس اوبیڈینس" (تحریک سول نافرمانی) تیا کائی، خاص مفہوم رکھتا ہے، اور مزید برآن تحریک عدم تعاون نے زبان کو بہت کچھ بدل دیا ہے، پہلے الفاظ کو اہمیت دی جاتی تھی، اور اب اوسکی جگہ خیالات نے لے لی ہے، گجراتی زبان اب زوردار سادی، ستھری، خیالات سے مملو مضبوط، اور باثر ہو گئی ہے، الفاظ کی پہیلیان اب جا چکی ہین، گجراتی زبان شیرین زبان ہے، خیالات کی گہرائی اس زبان مین سنسکرت زبان سے لی گئی ہے، اس مین نہ تامل زبان کی سختی اور نہ مرہٹی زبان کی سنگدلی ہے جسطرح گجرات مین چھوٹے سیر چھوٹے گھر تنگ گلیان، چھوٹے پلاٹ، چھوٹے شہر چھوٹی سڑکین ہین، اس طرح سے زبان بھی چھوٹی، نازک معصوم، شیرین حسین، مثل معصوم بچے کے ہے، دنیا نے گجراتی لٹریچر کو زنانہ لٹریچر اور زبان بنایا ہے، گو اس مین اس قدر حسن ہے، کہ جب کبھی کوئی غیر ملکی "گربا پارٹی" کو دیکھتا ہے تو وہ درحقیقت گجرات کے حسن و نزاکت اور اسکی زبان سے ششدر و حیرت زدہ ہو جاتا ہے، "گربا" ہندو خواتین، آشا مہینے کی پہلی نوراتون مین گجراتی زبان مین گاتی ہین، وہ ایک حلقہ بنا لیتی ہین، اور وہ گاتے ہوئے اپنے ہاتھون سے تالیان بجاتے ہوئے اور پاؤن کو زمین پر ٹپکتے ہوئے چکر لگاتی ہین،

گربا لٹریچر کی نوعیت گانے والا یا پڑھنے والا دیوی کی طاقتون اس کے حسن اس کے لباس، اس کے زیور کی تعریف کرتا ہے، اور اسکی مہربانی کے لئے التجا کرتا ہے، گجرات کے اس نوعیت کا لٹریچر ناظرین کو بنگال مین بھی ملے گا، جہان متوسط زمانہ کے بنگالی لٹریچر (نظم) کے ہر شاعر نے ہمیشہ کالی کے تعریف کا راگ گایا ہے، کہ وہ ماتا ہے، محافظ ہے، اور کبھی کبھی تباہ کرنے والی بھی ہے، آسون مہینے کے پہلے نو دن خاص طور سے دیوی کی پوجا کے لئے مخصوص ہوتے ہین، اور اس زمانہ مین ان گربون کو بہت کثرت کے ساتھ کاٹھیاواڑ مین مرد اور گجرات مین عورتین

گاتی ہین، ان عورتون کا حلقہ بنا کر گھومنا اور تالیان بجا بجا کر تال دینا اور نصف جسم کو جھکا جھکا کر ان گربون کو رات کے وقت دیر تک گاتے رہنا بہت پیارا نظارہ ہے، سورت، بڑودہ، احمد آباد، اور بمبئی جیسے مقامات مین ان عورتون کا رقص مردون کے رقص سے بہت زیادہ پر لطف ہوتا ہے، مرد تو محض کودتے اچھلتے اور چیختے چلاتے ہین، اور تالیان بجاتے ہین، جب دوسرے صوبہ کا آدمی ان عورتون کو بے پردہ پورے ساز و سامان اور مکمل آزادی کے ساتھ گجرات کے شہرون اور قصبہ کے گلی کوچون مین گربا (جھومر) گاتے ہوئے دیکھتا ہے، تو وہ اس حسین منظر سے محو حیرت ہو جاتا ہے، گجرات کے گربون مین خاص لٹریچر ہوتا ہے، گربون کا نفس مضمون "دیوی ماتا" کی تعریف مین راگ الاپنا ہے، ولبھ ڈھولا نے "بھاجارا" ماتا کی تعریف مین گربے لکھے ہین، اس کے بعد اس مضمون کا بہترین شاعر دیا رام تھا، اس نے اپنے گربون مین رادھا اور کرشنا کے حسن و عشق کے قصے دکھائے تھے، یہ بہت زیادہ مقبول ہین اور بہت سی عورتین ان گربون کو دل سے چاہتی ہین، آج کل کے زمانہ مین نانالال، راس، اور گربا، کا بہترین لکھنے والا ہے، اس نے روحانی عشق مین جو ابتک گربون کا مضمون ہوتا تھا، دنیاوی عشق کا بھی اضافہ کر دیا ہے، گربے گجرات کی خصوصیات ہین،

گجراتی کی تقسیمات تمام گجرات مین گجراتی زبان ایک ہی طریقہ سے نہین بولی جاتی ہے بلکہ مختلف مقامات کے لئے مختلف تلفظ مخصوص ہین، گجراتی زبان تین خاص قسمون مین تقسیم کی جاسکتی ہے،

۱- **احمد آبادی** یعنی وہ گجراتی زبان جو خاص احمد آباد اور اسکے گرد و نواح اور بمبئی مین بولی جاتی ہے یہ ادبی زبان ہے جو بولی اور لکھی جاتی ہے

۲- **کاٹھیاواڑی** گو یہ گجراتی بولی ہے مگر اسکے تلفظ کے طریقہ مین فرق ہے کاٹھیاواڑ کے لوگون کا تلفظ بہت وسیع ہے وہ "س" کے بجائے "ش" بولتے ہین

۳- **کچھی** گو کچھ گجرات مین ہے، لیکن اس کی بولی گجراتی زبان سے بالکل جدا ہے، اس پر سندھی زبان کا زیادہ اثر پڑا ہے، احمد آبادی یا کاٹھیاواڑی، کچھی زبان کو سمجھ نہ سکے گا، لیکن باوجود اس اختلاف کے تمام لوگون کی تجارتی زبان وہی ہے، جو احمد آباد مین بولی جاتی ہے، لٹریچر بھی مشترک ہے، کچھی گجراتی زبان کی ایک شاخ ہے، اور وہ ایک ایسی بولی ہے جو صرف بولی جاتی ہے لیکن کبھی لکھی نہین جاتی ہے، احمد آبادی کی ایک اور شاخ ہے اور وہ سورتی زبان ہے یعنی وہ زبان جو سورت مین بولی جاتی ہے یہان "شا" "ہا" بولا جاتا ہے، جیسے شربت کے بجائے ہربت بولتے ہین،

باقی

خسرو باغ کے مقبرے

(از مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی مؤلف "حیات جلیل" الٰہ آباد)

(۳)

مقبرۂ خسرو

پھاٹک پر چڑھائے اور جڑے ہوئے نعل نووارد تماشائی کے لیے سب سے پہلے جاذبِ توجہ ہوتے ہین، یہ مرادین برآنے والوں کے حسنِ عقیدت کے نگینے ہین، ان کی تعداد اب بھی کافی ہے، ان مین ہر قسم اور ہر نمونہ کے حاضر ہین، بڑے بھی، چھوٹے بھی، گھوڑون کے بھی، بیلون کے بھی، حتی کہ جوتون کے بھی، ہندوستانی اور انگریزی دونون وضع کے، حال کے لگائے ہوئے نعلوں مین تازگی اور چمک بخوبی نمایاں ہے، اس فلزاتی (معدنی) نذر و نیاز یعنی آہنی نعلون سے منت پوری کرنے کی کوئی معقول اور جلد باور ہو جانے والی وجہ نہین بتائی جاتی، مختلف روایتین زبان زد ہین، سب سے زیادہ مشہور و مقبول قصہ یہ ہے کہ مرزا خسرو کا گھوڑا نہایت عمدہ، اچھی نسل اور شریف ذات کا تھا، کسی نازک موقع پر اس نے کود کر جان بچائی اور دادِ رفاقت دی تھی، یہ صحیح ہو سکتا ہے، خسرو کے مقبرے کے سامنے پاس کے دامن مین جو ایک مسطح پست سا چبوترہ (کچھ کم ایک بالشت اونچا، چار گز دو فٹ لمبا، ساڑھے تین گز چوڑا) مع ایک مختصر نشانِ تعویذ کے بنا ہے، وہ اسی غازی مرد کی قبر بتائی جاتی ہے، مین اس روایت کو باور کرنے اور اس رسم اور اسکی اصلیت کو اس طرح ماننے سے معذور ہون، خادمون کی حاضر جوابی، اور فضول گوئیوں کی شکایت ہمیشہ سے چلی آتی ہے، حتی کہ آج سے ایک صدی پیشتر مسٹر فرینچ[1] بھی اسکو برداشت نہ کر سکے تھے، مین نے تو اس قسم کے نعل اکثر قلعون، پرانی عمارتوں اور مشہور روضون پر دیکھے ہیں، ان کی نسبت مجھے معلوم ہوا تھا کہ کواڑوں کی

[1] سیاحت نامہ بالائی ہند فرینچ ۱۸۳۸ء ص ۱۱۰،

استواری و استحکام اور آہن پوش بنانے کے لیے لگائے گئے ہین، ان کی خوش اندامی اور جامع و مانع ہیئت کو ان کی برتری و انتخاب کی سب سے بڑی سند سمجھا جاتا ہے، فتح پور سیکری کی درگاہ کے بلند دروازہ[1] (جسکو مسٹر فرینچ سا وسیع النظر، تمام عالم کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جلالت و عظمت والا پھاٹک اور ایک عجیب و غریب چیز لکھتا ہے[2]) پر کے سیکڑوں موٹے موٹے اور بھاری بھرکم نعل اسی خیال کے مؤید ہیں، یہی صاحب لکھتے ہیں[3] کہ قلعہ بھرت پور کے عجیب پھاٹکوں پر پیتل کے موٹے موٹے تختے جڑے ہوئے ہیں، ان پر بڑی بڑی کیلین اور اسی دھات کے لٹو لگے ہیں[4]، مین نے بھی دیکھا ہے کہ دروازہ کی یہ شان اب تک قائم ہے، قلعہ آگرہ کے باہر بیرونی فصیل کے نیچے پھاٹک کے پہلو میں امر سنگھ دروازہ پر اس بہادر راجپوت کے گھوڑے کی مورت بہتوں نے دیکھی ہوگی، اس شریف نژاد جانور کے متعلق واقعات اور اسکی جولانیوں کی داستانین بہت سی زبانوں[5] ہیں، کتابوں میں بھی، لیکن خسرو کے کسی خاص گھوڑے کا ذکر یا اسکا کوئی کارنامہ صفحاتِ روزگار پر درج نہیں،

مولوی خدا بخش خاں مرحوم کے ذخیرۂ نوادر یعنی پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں بادشاہوں اور شاہزادوں کی تصاویر کا ایک نایاب البم محفوظ ہے، اس مرقع میں خسرو کی شبیہ بھی ہے، وہ جوانی کی عمر اور اپنے زمانے کے چست مردانہ لباس میں اونچی بنا ہوا ایک چاق چوبند گھوڑے پر سوار ہے، ہاتھ پر کلائی کے قریب ایک شاہباز متمکن ہے، وہ توسن راہوار، فرضی و خیالی نہ ہو، تاہم اس کا وجود، اور الٰہ آباد میں آمد تخیلات و موہومات سے خالی نہیں میں اپنی تحقیق و تفحص کے نتیجہ اور قرائن و قیاسات کو اس قبرنما چبوترہ کے حالات میں درج کرونگا جسکا ذکر ابھی کیا ہے،

اس قدیم رسم کے پرستار کچھ ہم ہی نہیں، ایشیا کے حدود سے نکل کر اب یورپ میں بھی اسکو پائیں گے، عہد برطانوی کی تاریخ حکومت ہند میں محمود غازی کے مقبرے کے دروازون کا غزنین سے آنا[6] ایک عظیم معرکہ شمار کیا جاتا ہے

[1] مفتاح التواریخ صفحہ ۲۷۳ [2] ایضاً ص ۱۷۱، [3] ایضاً ص ۱۱۱ [4] ان کواڑوں کے متعلق مسٹر بیل نے بعض باتیں اپنے علم و آگاہی اور بعض منشی موہن لعل کے حوالہ سے لکھی ہیں، (مفتاح التواریخ ص ۷۰۵) مولوی سید احمد تحریر فرماتے ہیں کہ انگوری باغ (قلعہ) کے ایک دالان میں محمود غزنوی کے مقبرہ کا صندلی پھاٹک رکھا ہوا ہے جسے ابتدائی غلطی سے سومنات کے مندر کا پھاٹک سمجھا گیا تھا (تاریخ آگرہ ...) . . . چنانچہ اس مضمون کا اشتہار انگریزی، اردو اور ہندی میں اس پر چسپاں ہے، (صفحہ ۹)

لارڈ ایلن برا نے اپنے اعلان میں اسکو بڑی اہمیت دی تھی، انگریزوں کی سعی تحقیق، کاوش اور دقتِ نظر مسلم ہے، مسٹر ولیم سمپسن نے دیکھا، شبہ کیا، اور قوی وجوہ و دلائل کے ساتھ لندن ڈیلی نیوز کو لکھا کہ یہ پھاٹک تو ہرگز سومناتھ والے ہو نہیں سکتے، مسٹر فرگسن[1] نے خوردبین سے جانچ کی تشخیص فرمایا کہ "صنوبری دیودار کی لکڑی ہے، حالانکہ تمام تاریخوں سے ثابت ہے کہ سومناتھ کے مندر کے کواڑ چوب صندل کے تھے، جنپر اعلیٰ درجہ کا نفیس کام تھا، جنکی بڑی شہرت تھی، جنکو محمود اپنی فتحمندی کے اظہار کے لیے گجرات سے کابل لے گیا تھا جو اُسکی وفات کے بعد اُس کے مقبرہ میں لگا دیئے گئے تھے، بیشک یہ کواڑ بھی نئے نہیں ہیں، کہنگی اور دستبردِ زمانہ کے بہت سے بدیہی آثار ان پر نمودار ہیں، دِلے چور چور ہو گئے ہیں، بہت سا آرائشی کام ضائع ہو چکا ہے، بدنما بھدی مرمت لکڑی کی چھپڑیوں، ٹکڑوں اور لوہے سے کر دی گئی ہے (سب سے بڑھکر یہ کہ) مشرق و مغرب کے اتصال کی عجیب و غریب کڑی یہاں بھی جلوہ فرما ہے، یعنی اُن پرانے کواڑوں پر گھوڑوں کے نعل کثیر تعداد میں کیلوں سے جڑے ہیں"[2]

یورپ کے ہنرمندوں نے کامل غور و فکر اور تجربہ کے بعد اپنی کثیر الاجتماع محفلوں اور درباروں کے لئے یعنی تھیٹر اور کونسل ہال کے واسطے نعل کی شکل کی عمارتیں پسند و اختیار فرمائی ہیں، کیا اس انتخاب و قرارداد میں آپ مقبرۂ خسرو کی نعل والی رسم کی ذرا سی بھی جھلک دیکھتے، یا اس سے کچھ دور کا لگاؤ تجویز فرماتے ہیں،

رسمی معذرت و عفو خواہی کی ضرورت نہیں، بعض شرق نواز شرفا کی خفیف سی غلط رائی و غلط آرائی سے اختلافات و گریز پر بخود غلط مقبول مجبور تھا، ورنہ ان فرزانگانِ فرنگ کی تحقیق پسندی اور علم دوستی کا کون ناحسان شناس قائل نہ ہوگا، جو غیر ملک، غیر قوم، غیر زبان کی ایسی گراں ارز خدمت فرما رہے ہیں، اپنے اوقاتِ عزیز کی ساعات فرصت میں جتنا غور کرتا ہوں، ان کی کرامت نفس، کمال عظمت و عزت میرے دل میں بڑھتی جاتی ہے،

---

[1] مسٹر ونکن فرماتے ہیں کہ جیمس فرگسن دنیا میں عصر حاضرہ کا علم تعمیر و آثار کا سب سے بڑا ماہر اور مستند شخص تھا، اسکی "تاریخ تعمیر" لاجواب اور یادگار زمانہ ہے، دوسری کتاب "ہندوستانی اور مشرقی تعمیرات کی تاریخ" بیش بہا ہے ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا، (آگرہ ہینڈ بک، صفحہ ۱۰۰، نوٹ) [2] فرینچ صاحب کا سفرنامہ، صفحہ ۱۲۹ نوٹ، آگرہ و نواح آگرہ)

سلطان خسرو کی وفات کا قطعۂ تاریخ روضہ کے اندر گنبد کے قریب حاشیہ کے دور میں تحریر ہے،

آہ، افسوس آسمان راسیرتِ بیداد شد — آرے آرے کار چوں برظلم آمد داد شد

زندگی زد خیمہ بیرون از دیارِ خرمی — دیدہ چوں بنیادِ عالم را خراب آباد شد

اہل واد باش اند آگاہ از فلک کا حداثِ او — ہر کجا زد شعلۂ خاکسترش برباد شد

گلبنے ہر جا کہ بینی برگ ریز اندر پے ست — بلبلِ ایں باغ بودن مصلحت از یاد شد

گل عذارے را طراوت چیست کا خرخار مرگ — از پئے چاکِ قبا صد سوزنِ فولاد شد

چوں بلب رانم حدیثے را کہ می سوزد بہ آہ — مشکل است اما جہاں تا ہست ایں معتاد شد

آں گلِ رعنا کہ بود آرائے گلشن صد دریغ — عندلیباں را برنگ و بوئے او دل شاد شد

چاک پیراہن شد از خارِ قضا در باغِ عمر — ہم زمیں بگریست ہم از آسماں فریاد شد

شد قبا برقامتِ مردم قبا در ماتمش — شاہِ خسرو را بسوئے خلد چوں ارشاد شد

آں تنِ نازک کہ بروے بود پیراہن گراں — در تہِ خاکِ جفا افسوس استعداد شد

شد غریقِ رحمتِ حق چوں ولیِ پاک بود — خاصِ درگاہِ خدا و ہمدمِ اوتاد شد

سلمی از شد سالِ فوتش "فیضِ لائق" باز گو — صفۂ جنت زجانِ پاکِ او آباد شد

(کتبہ سلطان سرہندی)

خسرو کا تذکرہ نویس حال، خسرو کے اولین تاریخ نگار یا اُس کو حیاتِ جاوید بخشنے والے شاعر کا بھی شکرگذار و منت پذیر ہے،

ہائے شوقِ جستجو کو کیا کروں — لب پہ بے قصد اُس کا نام آ ہی گیا

یہ تسلیم ہے کہ سلمی کا نام شعرا کے زمرہ میں پایا نہیں جاتا، میں نے خود بہت سے مطبوعہ و مخطوطہ تذکروں میں تلاش کی، ناکام رہا، چند وسیع النظر کرم فرماؤں اور اساطینِ علم و فضل کو بھی زحمت و تکلیف دی، کوشش و کاوش

فزائی بسعی نامشکور ثابت ہوئی، نواب والاجناب مولوی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی، صدر یار جنگ بہادر اپنے ملاطفہ عالی میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"میں اول مرتبہ الہ آباد اس وقت حاضر ہوا تھا جبکہ مسلم بورڈنگ کا سنگ بنیاد مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم کے زیر اہتمام رکھا گیا تھا، اس موقع پر پہلی دفعہ خسرو باغ دیکھا، تاریخ پڑھی، نقل کی، اب تک محفوظ ہے، کبھی کبھی نظر بھی پڑ جاتی ہے، جب سے اب تک سلمی ارشد والا مصرع کھٹکتا ہی رہا"

گرامی نامہ کو پڑھکر مزید کاوش کی، بے ڈھنگا ہی رہا، ایک شاہزادہ کی تاریخ فوت "فیض لائق" واقعۂ رحلت سے کیا مناسبت رکھتی ہے، میرا قاصر ذہن اس کے فہم سے عاجز ہے، پھر ارشد، بازگو کی کھپت، بھرتی ہی بھرتی ہے، اب لفظ سلمی سامنے آتا ہے، بفتح سین، بکسر میم تخلص ہے تو یہ نسبت کس طرف ہے، کوئی مناسب معنی سَلِم کے نظر سے نہیں گذرے، بکسر سین و میم ہے، تو البتہ سلم بمعنی صلح یا اسلام کی طرف نسبت ہو سکتی ہے، بہرحال پیش نظر تذکرے اس تخلص سے خالی ہیں، ریاض الشعراء داغستانی، مخزن الغرائب، تذکرہ حسین دوست سنبھلی، مرآۃ الخیال، صبح گلشن دیکھے گئے، کسی میں یہ تخلص نہ پایا، اگر سلمی ہے تو کسی بی بی کا تخلص ہو سکتا ہے، کیا ضرورت ہے کہ جس کی تاریخ ایک متعوب شاہزادے کے مقبرے پر کندہ ہوجائے وہ بانام ونشان شاعر بھی ہو، قابل تذکرہ، رہا یوں میدان سخن، وہ مجموعۂ خرافات ہے، سوائے تخلص کے کوئی اور لفظ یہاں آہی نہیں سکتا،

میں ان جامع تذکروں کی فہرست میں شیخ محمد افضل سرخوش دہلوی کی مبسوط ومشہور تالیف کلمات الشعراء کو بھی داخل کرنا چاہتا ہوں جو ۱۰۹۵ھ میں شروع ہو کر ایک قرن ممتد کی مسلسل محنت وعرق ریزی سے بارہویں صدی کے عشرۂ دوم میں مکمل ہوا تھا، اس میں جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب کے عہد کے تمام مستند شعرا کے حالات مندرج ہیں، سرخوش کا دعویٰ ہے[1]

داخل اہل سخن نیست بہ پیشِ دانا   آنکہ نامش نہ بود در کلمات الشعرا

[1] خزانۂ عامرہ، صفحہ ۲۶۳ نولکشوری،

وہ بھی سلمی کو اہل سخن کی صف میں جگہ نہیں دیتے، نہ نام لیتے ہیں، میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے نقوش اولیں ید بیضا اور سرو آزاد میں جو فی الجملہ جامع اور ہر صنف کے شعرا کے احوال پر حاوی ہیں، سلمی کا ذکر نہیں کیا، یہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ کی حیثیت سے ان کا پایہ اسوقت (۱۰۳۱ھ = ۱۶۲۲ء[1] میں) یا اس کے بعد بھی چنداں بلند نہ رہا ہو، شاید یہ بھی اعتراف حقیقت ہو گا کہ ایک بادشاہزادہ کی موت کی تاریخ "فیض لائق" کسی طرح قابل داد نہیں ہو سکتی، لیکن دوسرا مصرع (تاریخ) بلکہ پورا قطعہ، زبان کی لوچ، خیال کی برجستگی، بیان کے زور، حسرت و درد کا قصہ سنانے، دل کی چوٹ دکھانے کے اعتبار سے کس سے کم ہے، جس نے ان کے عنفوانِ شباب میں باوجود نومشقی وکمی مہارت ایک مہتم بالشان بادشاہی عمارت ایک عالی مرتبت سلطان کے مرقد پر جگہ پائی، واقعہ یہ ہے کہ سلمی نے ایک دوسری حیثیت سے شہرت ونمود حاصل کی تھی، صاحب مخبر الواصلین، سید محمد فاضل[2] ان بزرگ کا پورا نام ونژاد، ملا سلمی ہندی سرمست خاں اور سال وفات ۱۰۵۱ھ بتاتے ہیں[3]، یہ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ تھا، ظاہر ہے کہ خسرو کے مرنے کے وقت سلمی محض نوخیز یا جوان رہے ہونگے، ساتھ ہی دلخستہ وجگر ریش، زمانہ کی سردی وگرمی سے کم آشنا، تلخی ناچشیدہ، دنیا سے دل ہٹائے گوشہ گزین بسر کرتے ہونگے، زہد وریاضت میں مشغول، اپنے قطعہ میں وہ دردبھری باتیں کہہ گئے ہیں جو سن رسیدہ باکمالوں کو بھی نہیں سوجھتیں، وہ خدمت بجالائے ہیں جس کی انجام دہی کی جرأت کسی جاہ طلب اہلِ قلم کو نہیں ہو سکتی تھی، سید فاضل کیسے مرتبہ شناس نے جب دنیا بھر کے مشائخ اور اہل اللہ کو یاد کیا اور ہر ایک کی وفات کی تاریخیں نکالیں تو اس شہرت ونمود سے گریزاں ونفور انسان کے متعلق تین قطعے لکھے، سب کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں، یہ شعر کافی ہیں،

(۱) سلمیِ ہندی کہ سخن سنج بود   رفت ز دنیا بہ رباط بہشت

(۲) مست مے صلاح سلمی بود ست   تاریخِ وصال او ازیں نیز بدال

[1] تاریخ جہانگیر از گلیڈون، صفحہ ۱۶۰، [2] ابو عبد اللہ محمد فاضل بن سید احمد بن سید حسین، مظہر الحق اکبر آباد کے باشندے تھے ۱۱۰۸ھ (۱۶۹۷ء) میں وفات پائی، اپنی کتاب میں ۱۱۰۶ھ تک کے مادہائے تاریخ وفات لکھے ہیں، (قاموس المشاہیر ص ۵۰) [3] صفحہ ۱۱۹، مطبوعہ ۱۲۶۵ھ۔ مصطفائی،

(۳) چو در دنیا و عقبے جز خدا و مصطفے ہرگز ۔۔۔ ندارد التجا و تکیہ بر کس سلمی ہندی

(۴) بماہ صوم تاریخ وصال آن سخن آرا ۔۔۔ بگفتا ہاتف غم بود و خدا رس سلمی ہندی

پہلے اور چوتھے شعر کے پہلے مصرعوں کو میں نے کئی بار پڑھا، "سخن سنج" و "سخن آرا" سلمی کی شاعری کا درجہ مجھے نہایت ممتاز و رفیع نظر آتا ہے، ان کے صلاح و تقوی، بزرگی و مشیخت کیساتھ ان کا کمال و کلام بھی مسلم ہے، ملا کا لقب اس دور میں اکابر علماء و فضلاء کے لیے مخصوص تھا، کون تھے؟ کہاں کے تھے؟ یہ مراحل ہنوز جلباب خفا میں ہیں، قرینہ مقتضی ہے کہ بلاد دکن کو ان کے توطن اور بود و باش کا شرف حاصل رہا ہوگا، اگر اطراف الہ آباد کے ہوتے تو ان کی شہرت و بلند نامی کا کچھ نہ کچھ نشان اب تک ضرور باقی رہتا[۱]،

---

[۱] فقیر یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ خان مرحوم کا یہ تخلص یا لقب نسبی امتیاز سے وابستہ تھا، یا انتسابی سے، نسب کا علو و تعلق فریدون کے پسر بزرگ سلم تک پہنچتا ہے اور انتساب کی برتری و اعزاز صوفیہ صافیہ کے ایک مشہور اور پرانے خانوادے سلمی تک جسکو قابل صحابی جلیل حضرت سلمان فارسی سے شرف اختصاص حاصل ہے، اس سلسلہ کے چند برگزیدہ شیوخ کے نام مولانا فریدالدین عطار کی لاجواب کتاب، اور درویش صفت صوفی مشرب پروفیسر نکلسن کے مایۂ ناز کارنامے "تذکرۃ الاولیا" (مطبوعہ لائیڈن، ہولانڈ سنہ ۱۹۰۵ میلادی) میں جا بجا ملتے ہیں، (۱) عطا سلمی ان میں متقدم الایام پائے جاتے ہیں، جنھوں نے بعض بعض باتیں عبد اللہ مبارک کے حوالہ سے اور بعض خود ابراہیم ادہم سے نقل کی ہیں، (صفحہ ۹۶) (۲) احمد سلمی ذوالنون کے معاصر و معتقد تھے، (صفحہ ۱۲۱) (۳) عبد اللہ سلمی نے وصیت کی تھی کہ میں جب مرجاؤں تو ابو حفص حداد کے پاؤں پر میرا سر رکھدیا جائے، جنکا حضرت جنید بھی ادب کرتے تھے، (صفحہ ۳۳۲) ان صوفیوں اور اولیاؤں کے علاوہ جو نواب محتشم نے تحریر فرمائے ہیں، اس لفظ کی ایک صورت اور بھی ہوسکتی ہے "سلمی" ابو عبدالرحمن السلمی (ف ۴۱۲ھ وطبقہ انگریزی ۱۰۲۱ء) جس کی زندۂ جاوداں مثال موجود ہیں، مگر وزن شعر اس کو قبول نہیں کرتا،

متصوفین کے سوا عرب کے شاعروں میں بھی یہ نام و لقب اور اس لفظ (سلم) کے بعض مشتقات و مصروفات و منسوبات بہت محبوب و رائج تھے، نامور کاتب عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ کی "طبقات الشعراء" (مطبوعہ لیڈن، سنہ ۱۹۰۲ء) میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، جیسے عقبہ بن سلم (صفحہ ۴۴۴) اور سعید بن سلم (صفحہ ۵۰۳) وغیرہ، اشجع السلمی (۵۶۲) کے حالات واضح ہے کہ سلمیوں کا خاندان برامکہ عجم کا قرابتدار تھا،

صحابہ کرام میں (جریر بن عبد اللہ البجلی) ہیں بھی حضرت عمرو و عتبہ سلمی، و عتبہ بن عبد السلمی کے نام ملتے ہیں، نیز حجاج بن علاط السلمی کا (المستطرف جزو دوم صفحہ ۱۳۳)

شاہی کتابخانہ رامپور کے آلاتِ ہیئت

از

جناب مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی، نائب ناظم کتبخانۂ شاہی رامپور،

معارف کے گذشتہ نمبر میں لاہور کے فلکی آلات ساز پر جو مضمون شائع ہوا ہے، اوسکی تقریب سے ریاست رامپور کے شاہی کتبخانہ میں ہیئت و فلکیات کے جو آلات اس وقت موجود ہیں، ان پر یہ ایک سرسری تبصرہ ناظرین معارف کیلئے دلچسپی کا باعث ہوگا،

کتبخانۂ مذکور میں اس وقت اس قسم کے نو مختلف آلات ہیں، جن کا ذکر بترتیب ذیل میں کیا جاتا ہے،

اڈیٹر

۱۔ اصطرلاب نمبرا | پیتل کا بنا ہوا ہے، علامات و حروف اصطلاحی و اسماء سب بخط کوفی ہیں، ۱۵ ½ انچ کا قطر ہے، ۱۲ ¾ انچ قطر کا جوف میں خلا ہے، جسمیں ۴ باریک پرت اسی دھات کے تلے اوپر رکھے ہوئے ہیں، اور ہر دو جانب نقوش و خطوط سے پُر ہیں، ان پرتوں کے اوپر ایک ہلالی شکل کا اور پرت ہے، جس کے وسط میں بدری شکل تراشی گئی ہے، اس پرت پر ستاروں کے نام کندہ ہیں، اور یہ گردش کرسکتا ہے، وسط میں ایک سوراخ ہے، جس میں ایک کیل پڑی ہوئی ہے، اس کا ایک سرا موٹا ہے، جس کے باعث یہ وار پار نہیں گذر سکتی، دوسرے سرے پر ایک شگاف ہے، جسمیں ایک پیتل کا پتلا ٹکڑا ڈال دیا جائے، تو وہ قفل کا کام دیتا ہے،

پشت کے بالائی حصہ پر بخط کوفی صانع کا نام، اور تاریخ و مقام صنعت ان الفاظ میں منقوش ہیں:۔

"صنعہ السراج بدمشق سنۃ خطوط"

یہ تمام حروف غیر منقوط ہیں، چونکہ تاریخ بلحاظ حروف ابجد لکھی گئی ہے، اس لئے حساب کرنے سے سنہ ۶۱۵ھ برآمد ہوتے ہیں،

۳۔ اصطرلاب نمبر ۲۔ پیتل کا بنا ہوا ہے، علامات و حروف اصطلاحی و اسماء وغیرہ بخط نسخ کندہ ہیں، ۵ء۱۵ انچ کا قطر ہے، جوف میں ۲ء۱۴ انچ قطر کا خلا ہے، جس میں ۵ پرت پیتل ہی کے نیچے اوپر رکھے گئے ہیں، اور ہر دو جانب منقوش ہیں اس اصطرلاب کے بالائی ہلالی شکل کے پرت میں پھولدار جالی تراشی گئی ہے، پشت پر وسط میں بخط نسخ صانع کا نام اور تاریخ کتابت منقوش ہے، جس کے حروف گھومنے والے حصہ کو بے احتیاطی سے پکڑ دینے کے باعث کہیں کہیں سے محو ہو گئے ہیں، عبارت یہ ہے:۔

عمل اقل العباد ضیاء الدین محمد بن قاسم[1] محمد بن ملا عیسی بن شیخ الہ داد[2] فی سنہ ۱۰۸۸ھ

۳۔ کرہ افلاک خورد نمبر ۱۔ یہ کرہ مسی ہے، تمام علامات ہیئت اور تحریریں بخط کوفی کندہ ہیں، اس کرہ میں ستاروں کے نام، اور اون کے مقامات ظاہر کئے گئے ہیں، ہر ستارہ کے جائے وقوع پر کرہ میں کسی دوسری سفید دھات کی باریک کیلیں جڑ کر ہموار کر دی گئی ہیں، کرہ کو ایک مسی گھیر امحیط ہے، یہ گھیرا اسٹینڈ پر رکھا گیا ہے، اسٹینڈ کے چار پائے ہیں، کرہ کا قطر ۳ انچ کے قریب ہے، اور اسٹینڈ کی اونچائی ۲ء۱۲ انچ ہے،

کرہ پر ایک جانب ۵ سطروں پر بخط کوفی یہ عبارت کندہ ہے،

سطر نمبر ۱ رسمت هذه الكواكب بعد زيادة اطوال الهما.

سطر نمبر ۲ رة على ما فى صور الى الحسن عبد الرحمن.

سطر نمبر ۳ الكوفى فى سنة ضلد الهجريه وض ه.

سطر نمبر ۴ اليزدجرديه وغ ذل و.

سطر نمبر ۵ الاسكندر.

دوسری جانب یہ عبارت ۳ سطروں میں منقوش ہے،:۔

سطر نمبر ۱ صنعه محمد بن جعفر

سطر نمبر ۲ بن عمر الاصطرلابی.

سطر نمبر ۳ الملقب بجلال.

یہ دونوں تحریریں غیر منقوط ہیں، اور تاریخ حروف ابجد کے ذریعہ ظاہر کی گئی ہے، میں نے ان عبارتوں کو اس طرح پڑھا ہے، رسمت هذه الكواكب بعد زيادة اطوال الهمارة على ما فى صور ابى الحسين، عبد الرحمن الكوفى[5] فى سنة ضلد (سنہ ۸۳۴ھ) الهجريه وض ه (سنہ ۸۱۱ھ) ايزدجرديه وغ ذل و (سنہ ۱۷۴۲ھ) الاسكندريه.

صنعه محمد بن جعفر بن عمر الاصطرلابی الملقب بجلال

اسٹینڈ کی شکل یہ ہے:۔ [figure of stand]
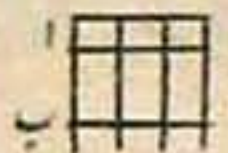
حصہ ب پر بخط نسخ یہ عبارت کندہ ہے:۔ صاحب سابق بوستانچی باشی الحاج احمد آغا سنہ ۱۲۱۳ھ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ کرہ ٹرکی میں بھی رہ چکا ہے،

۴۔ کرہ افلاک متوسط نمبر ۲۔ یہ کرہ پیتل کا بنا ہوا ہے، اس میں ستاروں کے نام، ان کی مفروضہ اشکال اور جائے وقوع وغیرہ بیان کئے گئے ہیں، اسمائے نجوم بخط نستعلیق اور حروف اصطلاحیہ ابجدیہ بخط نسخ ہیں، ستاروں کو ظاہر کرنے کے واسطے سفید کیلیں جڑ دی گئی ہیں، کرہ کو ایک مسی گھیرا محیط ہے، یہ گھیرا اسٹینڈ پر رکھ دیا جاتا ہے، اسٹینڈ کی شکل مذکورہ بالا کرہ نمبر ۱ کے اسٹینڈ کی سی ہے، کرہ کا قطر ۹ انچ کے قریب اور اسٹینڈ کی اونچائی ۲ء۱۶ انچ ہے، اسم صانع اور تاریخ و مقام وغیرہ ندارد، غالباً اوین صدی کا ہے،

[1] یہ نام غالباً قاسم محمد ہے، (دوشی) معارف:۔ قاسم محمد ہے۔ [2] یہ نام یا الہ داد ہے اور یا الہدی، (دوشی)
معارف:۔ الہ داد صحیح ہے۔

[5] معارف:۔ الکوفی صحیح نہیں الصوفی ہے، یہ مشہور عالم ہیئت ہے،

۵۔ کرۂ افلاک نمبر ۴ کلان | کرہ تانبے کا بنا ہوا ہے، اسمین ۱۲ برجون کے نام نجابو و قوع اور اختلافِ مواسم وغیرہ کو ظاہر کیا گیا ہے، کرہ پر اسما وغیرہ بخط نستعلیق اور اسٹینڈ کے اوپر کے گھیرے پر بخط نسخ کندہ ہین، اس کرہ کے چار پائے ہین، جنکے نیچے کے سرے شیر کے پنجونکے مشابہ ہین، تاریخ کتابت اور صانع کا نام کندہ نہین ہے، لیکن اسٹینڈ کی شکل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸ وین صدی عیسوی کی یورپ کی ساخت ہے، ممکن ہے کہ اسٹینڈ دوسرا ہو، کرہ کا قطر ۹ انچ کے قریب ہے، اور اسٹینڈ کی اونچائی ۱۶½ انچ ہے،

۶۔ کرۂ افلاک نمبر ۵ | یہ کرہ دفتی کا بنا ہوا ہے، ہندکی ساخت ہے، اسمین اشکال و اسما اور مواقع نجوم ظاہر کئے گئے ہین، اسما بخط انگریزی ہین،

۷۔ ربع مجیب نمبر ۱ | پیتل کی ساخت ہے، ۷ انچ لمبائی اور ۷ انچ چوڑائی ہے، تاریخ صنعت ۱۲۷۳ھ بالائی گوشہ راست پر بخط نسخ اور صانع کا نام عبدہٗ جمال الدین محمد علی الحسینی عفی عنہ بالائی گوشہ چپ پر بخط مذکور کندہ ہین، اس آلہ کے حروف اصطلاحی وغیرہ بخط نستعلیق کندہ کئے گئے ہین،

۸۔ ربع مجیب نمبر ۲ | یہ آلہ لکڑی کے پالش شدہ تختہ پر بنایا گیا ہے، پالش زرد اور تحریر سیاہ ہے، حروف بخط نستعلیق اور عبارت بزبانِ فارسی ہے، صانع کا نام مرزا افضل علی عامل ہے، تاریخ صنعت ندارد، ۵۰ سال سے اوس طرف کا معلوم ہوتا ہے،

۹۔ دوامی جنتری | یہ آلہ پیتل کے ایک گول ٹکڑے پر بنایا گیا ہے جس کا قطر ۴ انچ ہے، وسط مین ۲½ انچ قطر کا خلا ہے، جسمین ایک گول پرت رکھا ہے، یہ پرت گردش کرتا ہے، اس پرت کے وسط مین ایک تیسرا پرت ہے، پرت نمبر ۱ پر انگریزی مہینون کے نام، نمبر ۲ پر ہندوستانی دنون کے نام اور نمبر ۳ پر تاریخین ظاہر کرنے والے اعداد ہے، لیکر ۳۱ تک اور ہندی اور انگریزی مہینون کے نام منقوش ہین،

پشت پر بروج دوازدہ کے اسما، اور کچھ نجومی اصطلاحات منقوش ہین، حروف و اسما بخطِ نستعلیق کندہ ہین، نگم کے بالائی حصہ پر یہ عبارت کندہ ہے،

ازعمل دہر محمد اختراع نو جوتشی سمبت ۱۹۱۸

پشت کے بالائی حصہ پر یہ عبارت منقوش ہے:-

برائے نظر (نذر) خداوند نعمت حضور فیض گنجور مہاراجہ صاحب بہادر،

تلخیص و تبصرہ

اسلام کے قرونِ وسطی مین ساہوکاری کی ابتدا

یہ مضمون جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے دو نمبرون (اپریل و جولائی ۱۹۳۲ء) مین شائع ہوا ہے، پہلے حصہ کی تلخیص معارف ماہ جولائی ۳۳ء مین گذر چکی ہے، دوسرے حصے کا خلاصہ سطور ذیل مین پیش کیا جاتا ہے،

جہابذۃ الحضرہ (COURT BANKERS) کی حیثیت سے یوسف بن فنحاس اور ہارون بن عمران کا کاروبار خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل مدات پر مشتمل تھا،

۱- مالی کاروبار:- (الف) سرمایہ کا انتظام، (ب) سرمایہ کی ترسیل، (ج) سرمایہ کی فراہمی،

۲- تجارتی کاروبار،

(۱) الف:- سرمایہ کا انتظام | دسوین صدی کے عرب ماخذون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین لوگون کو دولت جمع کرنے کی حرص بہت زیادہ تھی، ساتھ ہی ساتھ اس کے تلف ہو جانے کا خطرہ بھی بہت تھا، حکومت کے عہدہ دارون اور تاجرون کو اس بات کا اندیشہ رہتا تھا، کہ اون کی دولت حکومت کی طرف سے ضبط نہ کر لی جائے، اس خطرہ کی وجہ سے لوگ اپنے سرمایہ کو کسی محفوظ مقام پر رکھ دینا چاہتے تھے، چنانچہ اس کے لئے طرح طرح کی تدبیرین اختیار کرتے تھے، سونا چاندی کو زمین کے نیچے دفن کر دیتے تھے، یا کنوون مین، حوضون مین، کھلیانون مین، اور کپڑون مین چھپا دیتے تھے، بعض اوقات ناجائز مال کی ضبطی کے خوف سے اُسے زیورون اور جواہرات کی شکل مین تبدیل کر دیتے تھے، غیر منقولہ جائداد کو وقف کر کے محفوظ کر لیتے تھے،

اپنی دولت کو زمین میں دفن کرنے یا کسی اور جگہ چھپا کر رکھنے کے علاوہ لوگوں نے اُسے سربرآوردہ اشخاص، تجار اور پیشہ ور ساہوکاروں کے پاس رکھنا شروع کیا، یہ تدبیر بڑے بڑے عہدہ دار اور خلفاء کے وزیر اختیار کرتے تھے، اسی لئے عام لوگ بھی ان ساہوکاروں کو قابلِ اعتماد سمجھ کر اپنی دولت اُن کے پاس جمع کر دیتے تھے، مقتدر کے زمانہ کے ہر وزیر کا دستور تھا، کہ وہ اپنا ایک خاص ساہوکار رکھتا تھا، اس امر کی احتیاط کی جاتی تھی، کہ جو سرمایہ ان ساہوکاروں کے پاس جمع کیا جائے، وہ اُن کے کھاتہ میں درج نہ ہو، چنانچہ وزیر ابن الفرات کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ اوس نے پوشیدہ طور پر بڑی بڑی رقمیں تاجروں اور ساہوکاروں کے پاس جمع کی تھیں، اسی طرح ایک دوسرے عہدہ دار نے بھی حفاظت کے خیال سے دس ہزار دینار ایک ساہوکار کے پاس جمع کر دیے تھے، لیکن اس رقم کو کھاتہ میں درج نہیں کرایا، وزیر حامد بن عباس نے بھی ایک لاکھ دینار شخص ابراہیم بن یوحنا جہبذ کے پاس جمع کئے تھے، یوسف بن فنحاس اور ہارون بن عمران جہابذۃ الحضرۃ ہونے کی حیثیت سے خاص طور پر قابلِ اعتماد سمجھے جاتے تھے، اور ان کے پاس اس قسم کے سرمایے جمع کئے جاتے تھے، ان سے کاروبار کرنے والے زیادہ تر وزراء ہوتے تھے، خصوصاً ابن الفرات کا کاروبار ان سے سب سے زیادہ تھا، چنانچہ اپنی معزولی کے بعد ابن الفرات کو اقبال کرنا پڑا کہ اوس نے مال المصادرہ کی رقم سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار ہارون بن عمران اور اس کے لڑکے کے پاس جمع کئے تھے،

(ب) سرمایہ کی ترسیل | یوسف اور ہارون نہ صرف دوسروں کا سرمایہ اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے، بلکہ رقموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کا کام بھی کرتے تھے، اس زمانہ میں ہنڈی کا رواج شروع ہو گیا تھا، دسویں صدی عیسوی میں قرضہ صرف نقد ہی کی شکل میں نہیں، بلکہ چک کے ذریعہ سے بھی ادا کیا جاتا تھا، اس چک کو سفتجہ کہتے تھے، سفتجہ کا مقصد یہ تھا، کہ روپیہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک راستہ کے تمام خطرات سے محفوظ رہکر پہنچ جائے، چنانچہ ایک بار ایک شخص نے پانچ ہزار دینار کے سفتجہ کے ساتھ کسی دور دراز مقام کا سفر کیا، اور اوس کے ساتھ صرف ایک راہ نما اور دو ملازم تھے، صوبہ اہواز سے خلیفہ کی والدہ کے لئے تین ہزار

دینار کا ہدیہ بھی سفتجہ کی شکل میں آیا تھا، جدید عرب ماخذوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں سلطنتِ عباسیہ میں سفتجہ کا رواج عام تھا،

سفتجہ کے ذریعہ سے ترسیل زر کا طریقہ نہ صرف غیر سرکاری کاروبار میں رائج تھا، بلکہ اس سے حکومت کے مالیاتی نظام کو بھی مدد ملتی تھی، چنانچہ انھیں کے ذریعہ سے سلطنتِ عباسیہ کے صوبوں کا محصول بیت المال عامہ میں آتا تھا، ان ماخذوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ ۹۱۶ء میں بغداد کے بیت المال سے فارس، اصفہان اور مشرقی صوبوں سے اموال سفاتج آتے تھے، علی بن عیسیٰ نے جو اُس وقت مصر و شام کا مہتمم مالیات تھا، ایک لاکھ چنتالیس ہزار دینار محصول سفتجہ ہی کے ذریعہ سے بغداد روانہ کیا تھا، اسی طرح صوبہ جات اہواز، فارس اور اصفہان کی زمینوں کا لگان بھی بیت المالِ عامہ میں سفتجہ ہی کی شکل میں آتا تھا، سفتجہ کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنے کا رواج اسقدر عام تھا، کہ مصنف مفاتیح العلوم اُن اصطلاحات کی شرح کرتے وقت جو حکومت عباسیہ میں رائج تھے، سفتجہ کیلئے صرف "معروفہ" کہکر خاموش ہو جاتا ہے،

(ج) سرمایہ کی فراہمی | جوں جوں خلیفہ اور سلطنت کیلئے روپیہ کی ضرورتیں زیادہ ہوتی گئیں، اس کی فراہمی کی جدید شکلیں بھی اختیار کی جانے لگیں، عامل مستاجر خلیفہ کو ایک متعین رقم ادا کرتا تھا، اس کے علاوہ وہ حکومت کو کچھ پیشگی بھی دیتا تھا، لیکن بعض قوموں پر یہ رقمیں ناکافی ثابت ہوتی تھیں، اور دوسرے طریقے بھی اختیار کرنا پڑتے تھے، نئے محکمے اور جدید شعبے صرف مالی مقاصد کی بنا پر قائم کئے جاتے تھے، عہدے عموماً انھی لوگوں کو دئے جاتے تھے، جو ان عہدوں کے لئے سب سے زیادہ روپیے پیش کرتے تھے، شاہی زمینیں فروخت کر دی جاتی تھیں، بعض لوگوں کی جائدادیں ضبط کر لی جاتی تھیں، خلیفہ کے خزانہ خاص میں جو کچھ ہوتا، نکال لیا جاتا، یہانتک کہ ناگہانی ضروریات کے لئے اُس میں کچھ باقی نہ رہتا،

غالباً ایسے ہی وقتوں میں ان یہودی ساہوکاروں کی مدد سے حکومت کی مالیات کو مستحکم کرنیکی ضرورت محسوس کی گئی، ہارون بن عمران اور یوسف بن فنحاس کے جو حالات عرب ماخذوں میں دئے ہوئے ہیں، اُن

سے معلوم ہوتا ہے، کہ مقتدر کے زمانہ میں یہ دونون سلطنت کے خاص جہابذ تھے، سلطنت کیلئے روپیہ فراہم کرنا ہی اُن کا مخصوص کام تھا، یہ ساہوکار ضرورت کے وقت سلطنت کو قرضے دیتے تھے، تین قرضون کا خاص طور پر ذکر ہے:-

۱- وزیر ابن الفرات نے اپنی پہلی وزارت کے زمانہ مین یوسف بن فنحاس کو بلا کر قرضہ کا مطالبہ کیا، اور یوسف کو اس کے اصرار سے ایک ماہ کیلئے قرضہ دینا پڑا،

۲- وزیر علی بن عیسیٰ نے ایک روز یوسف اور ہارون کو بلا کر کہا، کہ "ہر ماہ کے شروع مین پیدل سپاہ کے مصارف کیلئے مجھے تیس ہزار دینارون کی ضرورت ہوتی ہے، عموماً میرے پاس اتنی رقم مہینہ کے پہلے یا دوسرے روز موجود نہین رہتی، لہذا مین چاہتا ہون کہ تم ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو ڈیڑھ لاکھ درہم قرضہ کے طور پر دیدیا کرو، یہ رقم مہینہ کے اندر ہی تم کو اہواز کی مالگذاری سے مل جایا کرے گی، کیونکہ اہواز کے محاصل کا انتظام تمھارے ہی ہاتھ مین ہے، ان محاصل کے علاوہ جو تمھارے لئے ایک مستقل ضمانت ہین، مین بیس ہزار دینار کا اضافہ مزید ضمانت کے طور پر ادا کرتا ہون، جو ہر مہینہ حامد بن عباس سے واجب الادا ہین، یہ پہلی قسط کا معاوضہ ہوجائے گا" ان دونون ساہوکارون نے شروع مین تو انکار کیا، لیکن بالآخر اُنھین منظور کرنا ہی پڑا،

۳- وزیر علی بن عیسیٰ نے ۳۰۱ھ ۹۱۳ء مین بھی انہی ساہوکارون سے قرضہ لیا تھا، اس قرضہ کیلئے جو طریقہ اختیار کیا گیا، وہ اس سے قبل سلطنتِ عباسیہ کے مالیات مین غالباً کبھی نہین برتا گیا تھا، جب وزیر علی بن عیسیٰ کو مطالبات کی ادائی کے لئے روپیہ کی ضرورت پیش آئی، تو اوس نے تجار سے دس ہزار دینار قرض لئے اور اس قرضہ کی ضمانت سفتجے کی، جو صوبون سے آئے تھے لیکن جو اُس وقت تک واجب الادا نہ ہوئے تھے، اس قرضہ پر اوس نے ڈیڑھ نقرئی دانق فی دینار سود دینا منظور کیا، جس سے ایک مہینہ مین ڈھائی ہزار درہم ہوجاتے تھے، یہ اقرار نامہ یوسف بن فنحاس، ہارون بن عمران، اور اون کے جانشینون کے ساتھ سولہ سال کی مدت کے لئے کیا گیا،

اس اقرار نامہ مین جواب سے ایک ہزار برس پہلے ہوا تھا، زمانہ حال کی ساہوکاری کے تقریباً تمام اجزا پائے

جاتے ہین، اُن مین سے خاص حسب ذیل ہین:-

۱- حکومت کی طرف سے قرضہ کی گفتگو،

۲- سود کی ادائی،

۳- سفتجہ کو ضمانت کے طور پر دینا،

۴- حکومت کا ایک یہودی بنک سے قرضہ کا معاملہ کرنا،

(۲) تجارتی کاروبار

ان جہابذۃ الحضرہ کے مالی کاروبار پر نظر ڈالتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ حکومت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اُن کے پاس روپیہ کہان سے آتا تھا، کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سفتجہ کو بھنا کر وہ نقد روپیہ حاصل کر لیتے تھے، پھر بھی اس قدر کثیر نقد سرمایہ کا اُن کے پاس ہر وقت موجود رہنا تعجب سے خالی نہین، آخر اُن کی دولت کے ذرائع کیا تھے،؟

اُن کی آمدنی کا سب سے پہلا ذریعہ تو یہ تھا کہ جو رقمین حکومت کے عہدہ دار اور وزرا اُن کے پاس جمع کرتے تھے، اُن کو وہ سرمایہ کے طور پر استعمال کرکے فائدہ حاصل کرتے تھے، دوسرا ذریعہ تجارت تھا، یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ یوسف اور ہارون "تجار" کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے، ان ماخذون مین اُن کا ذکر اکثر اسی نام سے آیا ہے، "تجار" اور "جہابذہ" کے نامون کے فرق سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دونون یہودی تجارتی کاروبار بھی کرتے تھے، اگرچہ عرب ماخذون مین صرف اُن کے مالی کاروبار کا ذکر ہے، بہر حال یہ خیال کہ وہ تجارتی کاروبار بھی کرتے تھے محض تجار اور جہابذہ کے فرق پر مبنی نہین ہے، بلکہ اس کے لئے تاریخی وجوہ بھی موجود ہین، تمام قرون وسطیٰ مین مالی اور تجارتی کاروبار ہمیشہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، مالی کاروبار دراصل تجارتی کاروبار کی ایک ارتقائی شکل ہے، اور قرون وسطیٰ کی تاریخ مین اسکی بہتیری مثالین پائی جاتی ہین، کہ مالیات کی ابتدا تجارت ہی سے ہوئی،

لیکن ایک عرب تاریخی ماخذ سے جو ابھی حال مین شایع ہوا ہے، اور جس سے ان یہودی ساہوکارون

کی حیثیت پر بہت صاف روشنی پڑتی ہے، یہ معلوم ہوتا ہی کہ روپیہ کی فراہمی کیلئے ان کا دار و مدار صرف اپنے ذاتی سرمایۂ دوسروں کی امانت اور اپنے کاروبار کے منافع پر تھا، التنوخی کی نشوار المحاضرہ جلد ثانی مین اس اقرارنامہ کے سلسلہ مین جو علی بن عیسیٰ نے ان ساہوکارون کے ساتھ قرضہ کیلئے کیا تھا حسب ذیل بیان موجود ہی:-

کیونکہ وہ مرتے دم تک اپنے عہدون سے برطرف نہین کئے گئے، وہ عبید اللہ بن یحییٰ الخاقانی کے زمانہ مین مقرر کئے گئے تھے، تجار کی نظرون مین جہبذ کے عہدہ کی جاہ برقرار رکھنے کے خیال سے سلطان اُن کو علٰحدہ کرنا نہین چاہتا تھا، تاکہ تجار ضرورت کے وقت جہبذ کے ذریعہ سے روپیہ قرض دے سکین، اگر کوئی جہبذ نکال دیا جاتا، اور دوسرا اُسکی جگہ مقرر کر دیا جاتا جس کے ساتھ تاجرون کو اوس وقت تک لین دین کا تعلق نہ ہوتا، تو خلیفہ کا کاروبار معطل ہو جاتا؟

اس بیان سے معلوم ہوتا ہی، کہ خلیفہ کے نزدیک ان یہودی ساہوکارون کی کیسی عزت اور کیا اعتماد تھا، اور وہ دربار کیلئے کسقدر ضروری تھے خلیفہ نے اپنے پچیس ۲۵ سال کے دورِ حکومت مین پندرہ مرتبہ وزیرون کو تبدیل کیا لیکن ان ساہوکارون کو ایک مرتبہ بھی برطرف نہین کیا، اور اُن کو تاحیات برقرار رکھا، اس بیان سے ایک بات اور بھی واضح طور پر معلوم ہوتی ہی، وہ یہ کہ یوسف اور ہارون اپنے وقت کے دوسرے مالدار تاجرون کے اعتماد پر بھروسہ کر سکتے تھے، دربار مین اُن کی مخصوص حیثیت کا راز یہ تھا، کہ وہ اپنے عہدہ، اپنی شہرت، اپنے اعتماد و عزت، اور تجارتی حلقون مین اپنے گوناگون تعلقات کی بنا پر وہ رقمین حاصل کر سکتے تھے، جو حکومت اور دربار خلافت کی ضروریات کیلئے درکار ہوتین،

بہر حال مذکورۂ بالا بیانات سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ دسوین صدی کی ابتدا مین تاجرون اور ساہوکارون کی ایک باقاعدہ اور مرتب جماعت موجود تھی، جس کا مرکز بغداد تھا، اس جماعت کے سردار یوسف ابن فنحاس اور ہارون بن عمران تھے، یہ دونون جہابذۃ الحضرۃ تھے، اور بغداد، اہواز اور سلطنت کے دوسرے صوبون کے مالدار تاجرون سے گہرے کاروباری تعلقات رکھتے تھے، یہ سب مل کر خلافت عباسیہ کی ایک اہم معاشیاتی خدمت انجام دیتے تھے، اور بار بار حکومت کی شدید مالی ضروریات کو پورا کرکے اونھون نے اس کو تباہی سے بچانے مین مدد دی،

"ع ز"

یورپین عورتون کی مشرقی سیاحتین اور انکی یادداشتین

عنوان بالا سے الہلال مصر مین ایک مضمون آیا ہے، اس کی تلخیص دلچسپی کیلئے درج ذیل ہے،

اوّل اوّل ایک اسپینی لیڈی سلویا (SYLVIA) نے چوتھی صدی عیسوی کے اخیر مین فلسطین کا تعجب انگیز سفر کیا اور اپنے مشاہدات کی ایک یادداشت مرتب کی، جسکو ایک اسپینی راہب نے ساتوین صدی کے اخیر مین شائع کیا، اس کے ایک مدت کے بعد ۱۸۸۷ء مین ایک اور پادری نے اوسکی اشاعت کی، یہ لیڈی ایک راہبہ تھی اسلئے اوس نے گرجون، اور مذہبی رسمون اور مشرقیون کے اخلاق و عادات پر نہایت صداقت کے ساتھ لکھا ہے کہ اور یہ پہلی یورپین عورت ہی جس نے مشرق پر قلم اٹھایا ہے،

اس کے بعد پانچوین صدی سے بارہوین صدی تک کسی یورپین لیڈی کے علمی سفر کا تذکرہ نہین ملتا، لیکن بارہوین صدی کے وسط مین ایک اٹالین عالم عراق مین علمی تحقیقات کیلئے گیا، اور چند دنون بغداد مین قیام کیا، یہان اسکی ملاقات ایک اٹالین لیڈی سے ہوئی، جو بعد کو اس کی بیوی بن گئی، اور یہی لیڈی ہے جس نے مشرق کے اطراف و جوانب کا سفر کیا، اور مشرقی قومون مین رہ کر اون کی زبان اور اخلاق و معاشرت کا طرز سیکھا، اور ان دونون میان بیوی کے سفر نے یورپین علماء کے سامنے تحقیقات کے نئے نئے دروازے کھول دئے، اور جس طرح قدیسہ سلویا نے مشرق کے متعلق سب سے پہلے مذہبی حیثیت سے لکھا تھا، اوسی طرح اس لیڈی نے سب سے پہلے مشرق کے متعلق علمی اور تاریخی حیثیت سے لکھا،

اس کے بعد ہم درمیان کا زمانہ چھوڑ کر اون لیڈیون کا ذکر کرنا چاہتے ہین جنھون نے اونیسوین صدی عیسوی مین مشرق کا سفر کیا، اور اس سفر کے متعلق علمی آثار چھوڑے،

ان لیڈیون مین مستشرق بلنٹ (BLUNT) کی بیوی سب سے زیادہ نمایان شخصیت رکھتی ہے، جس نے ۱۸۷۹ء مین اپنے شوہر کے ساتھ صحرائے نجد کا سب سے پہلے سفر کیا، اور وہابیون کے مذہب

اور اخلاق کے متعلق یورپین اخبارات مین مضامین لکھے اور اس موضوع پر ایک عمدہ کتاب اپنی یادگار چھوڑی،

اسی زمانے مین ایک فرنچ لیڈی ڈیولافائے (DIEULA FOY) نے بھی اپنے شوہر کے ساتھ عرب کے شمالی حصہ کا سفر کیا، اور اپنے شوہر کے حکم سے مشرق کی قدیم و جدید زبانین سیکھین،

ایک اور لیڈی الکزنڈرا ڈیوڈ نیل (ALEXANDRA DAVID NEEL) نے بلاد تبت کا سفر اس وضع کے ساتھ کیا کہ اس کے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے اور ہاتھ مین ایک درخت کی ٹہنی تھی، جس پر ٹیک لگا کر وہ در در کی دریوزہ گری کرتی پھرتی تھی، اور گھرون کے اندر داخل ہو جاتی تھی، اس طریقہ سے اوس نے بلاد تبت مین ۱۴ سال بسر کرکے وہان کے باشندون کی زبانین سیکھین، اور ان کی تاریخ اور مذاہب و رسم و رواج کا مطالعہ کرنے کے بعد اس ملک کے متعلق ایک نہایت جامع کتاب لکھی، ایک اور اٹالین لیڈی نے پورے پانچ سال بلاد اناطولیہ مین بسر کئے، اور اپنی یادداشت مین اس ملک کے متعلق نہایت وسیع معلومات درج کین،

مشہور فرنچ عالم رینان کی بہن کا نام بھی اس سلسلے مین خاص اہمیت رکھتا ہی، جس نے گذشتہ صدی مین ارض مقدس کا سفر کیا، اور مشرقی روح، مشرقی خصائل، اور مشرقی ذہانت کے متعلق نہایت بلیغ انداز مین لکھا،

اس کے بعد بیسوین صدی عیسوی مین جنگ عظیم سے پہلے اور جنگ عظیم کے بعد بہت سی یورپین لیڈیون نے مشرق کا سفر کیا، لیکن ان کے مقاصد سفر مین سخت اختلاف تھا، جن لیڈیون نے جنگ عظیم سے پیشتر مشرق کا سفر کیا، ان کا مقصد خالص علمی و ادبی تھا، اور اس مین مذہب اور سیاست کی آمیزش نہین تھی، لیکن جنگ عظیم کے بعد سیاست ہر چیز مین داخل ہو گئی، اس لئے اس جنگ کے بعد جن یورپین لیڈیون نے اخبار نویسون کے ساتھ مشرق کا سفر کیا، اونھون نے سب سے پہلے سیاسی اغراض پر قلم اوٹھایا، اور بغض و تعصب سے کام لیکر ان چیزون کو چھپایا، جن کا اظہار سیاسی مصلحت کے خلاف تھا، اور ان چیزون کو نمایان کیا، جن کے اخفا مین کوئی سیاسی مصلحت پوشیدہ نہ تھی، چنانچہ ان لیڈیون مین میڈم جوبیت آدم، مادام ماری دی ساف بوان، روزیتا فوربس اور بادشاہ بیجر مس میو وغیرہ ہین، جنھون نے مشرق کے متعلق بہت کچھ لکھا، لیکن ان مین سے اکثر کی تصنیفات محض سیاسی مصالح کا آئینہ ہین،

"ع "

اخبار علمیہ

چہرے کی ساخت

ڈاکٹر ڈسفاسس (پیرس) نے تیس سال کے ذاتی تجربہ اور صدیون کی شہادتون پر غور کرنے کے بعد انسانی چہرے کی ساخت کے متعلق بعض دلچسپ معلومات حاصل کئے ہین، اُن کا بیان ہے کہ مستطیل اور مثلث شکل کے چہرے انسان کی سرداری اور عظمت کی علامت ہین، ایک اوسط درجہ کا مستطیل چہرہ مستقل تعمیری اور مردانہ قوت ارادی کو ظاہر کرتا ہے جو ایک قائد یا سردار مین پائی جاتی ہے، زمانہ حال مین پاسٹیر (مشہور فرانسیسی سائنس دان) جوفرے (جنگ عظیم کا ایک برطانوی جنرل) اور فوش (جنگ عظیم کا مشہور فرانسیسی سپہ سالار) کے چہرے اسی قسم کے تھے، ایسا چہرہ عموماً سیاسی قائدون لائق فوجی افسرون اور صنعت و حرفت کے بڑے بڑے ماہرون کا ہوتا ہے، بہترین انسانون مین بھی اسی قسم کا چہرہ پایا جاتا ہے، زمانہ قدیم کے آرٹسٹ جوپیٹر (قدیم رومن مذہب کا سب سے بڑا خدا) کا چہرہ اسی شکل کا دکھاتے ہین، مسیحی آرٹسٹ بھی (نعوذ باللہ) خدا کے چہرے کو ایسا ہی پیش کرتے ہین، ہر زمانہ کے مصورون اور صناعون کو اس شکل کے چہرے کی عظمت پر اتفاق رہا ہے، مثلث شکل کا چہرہ دماغی قوت کی زیادتی کا پتہ دیتا ہے، ایسے چہرے بیشتر مفکرین کے ساتھ مخصوص ہین، ممتاز مدبرین کے چہرے بھی عموماً اسی شکل کے ہوتے ہین، سیزر، اغسطس، اور رچلو (مشہور فرانسیسی وزیر اعظم) کے چہرے اسی شکل کے تھے، بیضاوی شکل کے چہرے جن کے اوپر کا حصہ کسی قدر زیادہ چوڑا ہوتا ہے، اعلیٰ دماغی قوت کو ظاہر کرتے ہین، ان سے ان اشخاص کے غرور اور غیر معمولی حوصلہ کا پتہ بھی معلوم ہوتا ہے، فلپ اسٹروزی (سولھوین صدی کا ایک فرانسیسی جنرل) اور لینن (انقلاب روس کا بانی) جو اپنے مظالم اور شقاوت مین مشہور ہین، اسی شکل کا چہرہ رکھتے تھے، الزابتھ، (ملکہ انگلستان) کا چہرہ بھی ایسا ہی تھا، وہ غیر معمولی ذہین تھی، سولہ سال

کی عمر میں فرانسیسی، اطالوی، لاطینی، اور یونانی، زبانون مین بات کرسکتی تھی، وہ نہایت تند مزاج اور حد سے زیادہ مغرور تھی، وہ معاف کرنا جانتی ہی نہ تھی، اپنے سیاسی مخالفین کو نہایت دردناک سزائین دیتی تھی، بالکل بیضاوی شکل کے چہرے زیادہ تر عورتون مین پائے جاتے ہین، یہ عموماً طبیعت کی نرمی اور مروت کو ظاہر کرتے ہین، جو چہرے زیادہ بیضاوی ہوتے ہین، اُن سے اعصاب کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے، مسدس شکل کے چہرے سے جسمانی قوت اور کام کرنے کی اہلیت ظاہر ہوتی ہے، ایسے چہرے بعض ایسی نسلون مین پائے جاتے ہین، جو فطری زندگی بسر کرتے ہین لیکن یہ تمام مذکورۂ بالا علامتین محض علامتین ہین، اور ڈاکٹر ڈسفاسس کو اعتراف ہے کہ یہ کوئی معیار نہین ہے،

مکان کو گرم رکھنے کا ایک نیا طریقہ،

اب تک مکان اور دوسری عمارتون کے گرم رکھنے کا جو طریقہ رائج تھا، اوس سے بالکل مختلف اور کہین زیادہ آسان طریقہ ڈاکٹر حیب (امریکہ) نے معلوم کیا ہے، ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے کہ انسان کے جسم سے جو حرارت نکلتی ہے اس مین سے قریب ۴۴ فی صدی دیوارون مین داخل ہوجاتی ہے، (قریب (۲۰) فی صدی بخارات کی شکل مین نکل جاتی ہے، اور باقی مکان کی ہوا مین مل جاتی ہے، معمولی حالت مین انسان کے جسم سے اتنی حرارت خارج ہوتی ہے، کہ اوس سے ایک گھنٹہ مین قریب تین پائنٹ (قریب ڈیڑھ سیر) پانی اُبل سکتا ہے، یہ حرارت عموماً ۹۰½ ڈگری پر رہتی ہے، جب اس حرارت کے اخراج مین کمی واقع ہوتی ہے، تو ہم گرمی محسوس کرتے ہین، اور جب ضرورت سے زیادہ زیادتی ہوجاتی ہے، تو ہمین سردی معلوم ہونے لگتی ہے، انسانی جسم کو آرام اُسی وقت ملتا ہے، جب یہ حرارت نہ بہت زیادہ مقدار مین نکلے، اور نہ بہت کم،

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ سردی کی حالت مین گرم ہوا مین رہنے سے جسم کو زیادہ آرام ملتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جسم انسانی کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی خارجی حرارت کی ضرورت نہین ہے، جو حرارت اوس کے اندر موجود ہے، وہ اس کے لئے کافی ہے، اوس کو سردی سے محفوظ رکھنے کے معنی یہ ہین، کہ اس حرارت کو

باہر نکلنے سے روک دیا جائے، اگر مکان کی دیوارین اور چھت گرم کردی جائین، تو حرارت کا وہ معتدبہ حصہ جو جسم سے نکل کر عام حالات مین دیوارون اور چھتون مین داخل ہوجاتا ہے، جسم کے اندر ہی محفوظ رہے گا، اور سردی کو دفع کرنے کیلئے ہوا کو گرم کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی، ڈاکٹر حیب نے اسی اصول کے ماتحت دیوارون کو حسب خواہش گرم کردینے کا ایک جدید طریقہ دریافت کیا ہے، وہ دیوارون مین پتلی پتلی نلکیان لگا کر انھین بجلی یا بھاپ کے ذریعہ سے گرم کردیتے ہین، اس تدبیر سے مکان کے دروازون اور کھڑکیون کو بند کرنے یا ہوا کو گرم کرنے کی ضرورت باقی نہین رہتی، اور تازہ ہوا ہر وقت اندر آسکتی ہے،

ایک جدید برقی ایجاد،

دوسری طرف اسی امریکہ مین ایک جدید برقی مشین ایجاد ہوئی ہے، اس کے ذریعہ سے ہوا کی سردی و گرمی حسب خواہش کم و بیش کیجاسکتی ہے، امریکہ کی یہ جدید برقی ایجاد ہندوستان کے گرم میدانی خطے مین بھی زندگی کو ایام گرما مین اتنا ہی خوشگوار بنا سکتی ہے، جتنا کہ سرد مقام پر ممکن ہے، اس برقی مشین سے ہر اُس مکان مین کام لے سکتے ہین، جسمین برقی قوت کا خزانہ ہے، یا وہ برقی صندوق موجود ہے، جسمین پھلون اور کھانے کی دوسری چیزون کو تازہ اور سرد رکھتے ہین، اس ایجاد سے امریکہ نے حسب خواہش گرمی اور سردی پیدا کرلینے پر قدرت حاصل کرلی ہے، چنانچہ نیویارک کے اُنیس عظیم الشان برقی کارخانے کثیر تعداد مین یہ مشینین تیار کررہے ہین، تاکہ امریکہ کے تین کروڑ گھرون کے لئے گرمی و سردی کا مسئلہ حل ہوجائے، ان مشینون کی تیاری پر پندرہ کروڑ پونڈ صرف ہون گے، لیکن خیال ہے، کہ ایک سال کے اندر اس مشین کی قیمت اتنی کم ہوجائے گی کہ ہر وہ شخص جو مذکورۂ بالا برقی صندوق خرید سکتا ہے، اوس کو بسہولت رکھ سکے گا، اس مشین کا تجربہ اول اول امریکہ کے ایک سینما گھر مین کیا گیا، جس کی عمارت کا اندرونی حصہ بہ نسبت دوسرے حصون کے دفعۃً بقدر (۲۰) درجہ زیادہ سرد ہوگیا، اور سارے عمارت تماشائیون سے بھر گئی،

کرۂ ارض کا رنگ

پروفیسر وی، ایم، سلائیفر نے حال مین رائل اسٹرانامیکل سوسائٹی لندن کے ایک جلسہ مین بیان کیا ہو کہ اگر ہم کرۂ ارض کو آسمان کی بلندی سے دیکھین تو یہ ایک نیلگون سیارہ معلوم ہوگا، پروفیسر موصوف نے اس دعویٰ کے ثبوت مین اُس عکس کی تصویر پیش کی ہو، جو زمین ماہتاب پر ڈالتی ہو، اس تصویر مین زمین کا وہ نیلگون رنگ قائم ہو جو ماہتاب کے آئینہ مین اترا تا ہے، سیارہ پلوٹو (PLUTO) کا رنگ جو حال مین رصدخانہ لاول مین دریافت کیا گیا ہے سُرخی مائل ہے،

خودکشی کا پہاڑ

چند مہینون سے جاپان مین خودکشی کی ایک عجیب رو پیدا ہو گئی ہے جسمین نوجوان مرد اور عورتین سرعت کیساتھ اپنی جانین تلف کر رہی ہین، ٹوکیو سے پچاس میل جنوب مغرب کی جانب جزیرہ اوشیما پر ایک کوہ آتش فشان مہارا نامی ہو اُسی کو اُن نوجوانون نے اپنا مدفن قرار دیا ہے، گذشتہ فروری مین سب سے پہلے ایک مدرسہ کی لڑکی وہان جا کر مہارا کے دہانہ مین کود پڑی، اُسکے بعد تین مہینے بھی گذرنے نہین پائے تھے، کہ پینتیس نوجوانون نے اسی طرح جان دیدی، اُنکے علاوہ ایک سو پچاس بجیر اس ارادہ ہو باز رکھے گئے، ایک روز سہ پہر کے وقت چھ نوجوانون مردون نے اسی طریقہ سے خودکشی کر لی، پہاڑ کے دہانہ پر جو سپاہی نگرانی کیلئے مامور ہو، اُس نے لندن ڈیلی میل کے نمایندہ سے بیان کیا کہ ہر روز کم سے کم دو آدمی ضرور دہانہ مین کودنے کی کوشش کرتے ہین،

نہ جلنے والے کپڑے

کبھی کبھی پہننے کے کپڑون مین بھی آگ لگ جاتی ہو، اور خیمے وغیرہ تو گھرون اور چھپرون کی طرح اکثر جل جایا کرتے ہین، لیکن حال مین بعض ایسے سوتی کپڑون کے بننے کا طریقہ معلوم کیا گیا ہے، جن پر آگ کا کوئی اثر نہین ہوسکتا، اس لئے خیمے وغیرہ اب جلنے سے محفوظ رہ سکتے ہین،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

از حضرت جگر مرادآبادی،

ذیل کی سادہ غزل جسمین شاعر نے ہمارے بزرگون کی پرانی بولی مین اظہار مدعا کیا ہے، کس درجہ پُراثر ہے، ضرورت ہی کہ پُرانے متروکات مین جو الفاظ اور محاورے عمدہ اور شیرین ہین، اون کو پھر سے رواج دیا جائے،

"اڈیٹر"

کیا بتائین عشق ظالم کیا قیامت ڈھائے ہے ... یہ سمجھ لو، جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہی،

جب نہیں تم، تو تصور بھی تمھارا کیا ضرور ... اوس سے بھی کہدو کہ یہ تکلیف کیون فرمائے ہی،

ہائے وہ عالم نہ پوچھو اضطرابِ عشق کا ... یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش آ جائے ہی،

کس طرف جاؤن کدھر دیکھون کسے آواز دون ... اے ہجوم نامرادی! جی بہت گھبرائے ہی،

تازیانہ

از

جناب اسد ملتانی بی اے

مارچ کے "معارف" مین شاعر کا "ترانۂ شعراء" شائع ہوا تھا، جس مین شعراء کے خصائص کے بیان مین فخریہ پہلو خود بخود نمایان ہو گیا تھا، اس خود ستائی کے کفارہ کے طور پر شاعر خود کو رنے یہ نظم بعنوان "تازیانہ"

لکھی ہے، امید ہے کہ ترانہ کے بدست اس تازیانہ سے ہوش میں آجائیں گے،

"اڈیٹر"

کب تک اے غافل یہ بے حاصل خیال آرائیان   ایک گوشے میں پڑے رہ کر فلک پیمائیان

اڑ کے پہنچے رفعتِ گردون پہ اربابِ عمل   اپنے بستر ہی پہ تو لیتا رہا انگڑائیان

اپنے ہم جنسون کی صحبت سے ہمیشہ اجتناب   اور نجومِ آسمان سے انجمن آرائیان

اک خیال و خواب کی دنیا مین عمارتین   عالمِ ہستی کے ہنگامون سے بے پروائیان

رفتہ رفتہ کرکے زائل قوتِ سعیِ عمل   تجھ کو لے ڈوبین نہ تیری فکر کی گہرائیان

کب تلک؟ باغِ تصور کا تماشا کب تلک؟   کھول آنکھ اور دیکھ فطرت کی چمن آرائیان

کون حقیقت کے سمندر کو سمجھتا ہے، سراب؟   لے ترے دم سے فروغِ دینِ سوفسطائیان

تجربات زندگی پر جب نہین ان کی بنا   سر بسر اوہامِ باطل ہین تری دانائیان

تیری نظرون مین نہ ہو جب تک فضائے کائنات   کیا کھلین تجھ پر خود اپنی ذات کی پہنائیان

تاکہ تیرا دیدۂ باطن کرے کسبِ ضیا،   دیکھ چشمِ ظاہری سے حسن کی رعنائیان

آہ تونے حلقۂ الفاظ تک محدود کین،   حسن کی دارائیان اور عشق کی گیرائیان

اے کہ تو دنیا مین ہے تفسیرِ کَلّا یَعلَمُون،

عاقبت مین بھی تجھے حاصل نہ ہون رسوائیان

بیانِ اثر

از

جناب محمد علی خان صاحب اثرؔ رامپوری،

بارشِ نورِ مسلسل جلوہ گاہِ دل مین ہے،   کوئی مہوش آج مہمان اس کی منزل مین ہے؟

فطرتِ انسان پرستارِ تجلی کیون نہ ہو،   بادۂ عشقِ ازل مینائے آب و گل مین ہے

بیخودی مین امتیازِ وحشت و منزل تک نہین   کاروان کا کاروان بھٹکا ہوا منزل مین ہے

دیکھتے جاؤ تم انجامِ وفا کو آنکھ سے،   پھر چکی ہین پتلیان، کچھ جان ابھی بسمل مین ہے

بزمِ عالم مین نہین گر صاحبِ محفل کا نور   کس کا رعبِ حسن طاری اس بھری محفل مین ہے

کر رہی ہے شمع تفسیرِ رموزِ زندگی   ایک جارہ گر وہ ہر ساعت نئی منزل مین ہے

کشتی طوفان زدہ اور بحرِ الفت بے کنار   طالبِ ساحل عبث امیدِ لاحاصل مین ہے

نعمتین دونون جہان کی عشق مین سب چھن گئین   اک تری تصویر باقی ہے، جو میرے دل مین ہے

خود فراموشی ہی دے گی، اے اثر ان کو جواب

پوچھتے ہین مجھ سے وہ اب کیا تمنا دل مین ہے

سخنِ تاثیر

از

پروفیسر تاثیر، ایم اے لاہور،

حسن کے رازِ نہان شرحِ بیان تک پہنچے   آنکھ سے دل مین گئے دل سے زبان تک پہنچے

دل نے آنکھون سے کہی آنکھون نے اُنسے کہدی   بات چل نکلی ہے، اب دیکھین کہان تک پہنچے

عشق پہلے ہی قدم پر ہے یقین سے واصل   انتہا عقل کی یہ ہے، کہ گمان تک پہنچے،

کعبہ و دیر مین تو لوگ ہین، آتے جاتے   وہ نہ لوٹے جو درِ پیرِ مغان تک پہنچے،

آنکھ سے آنکھ کہے دل سے ہون دل کی باتین

وائے وہ عرضِ تمنا جو زبان تک پہنچے،

مطبوعاتِ جدیدہ

ہندی شاعری از جناب ڈاکٹر اعظم کریوی، حجم ۲۰۲ صفحے، لکھائی چھپائی ٹائپ کی، کاغذ عمدہ،

قیمت عہ پتہ ہندوستانی اکیڈیمی، الہ آباد،

کتاب مذکور ایک دیباچہ اور دو بابون مین تقسیم ہے، دیباچہ مین "مسلمان اور ہندی شاعری" اور "ہندی اور اردو زبان" پر اظہارِ خیال ہے، پھر پہلے باب مین بھاشا زبان کی ابتدا، دھکا تُلسی داس اور ان کی رامائن کے چند ترجمے دیے ہین، اور دوسرے باب مین ہندی زبان کے گیارہ بارہ شعرا کا سرسری تذکرہ ہے جنمین پانچ چھ باکمال مسلمان ہندی شعرا کے نام بھی ہین، اس کے بعد ہندی شاعری کا انتخاب چند عنوانون "فلسفۂ زندگی دنیا کی بے ثباتی اور عبرت انگیزی"، "حُسن وعشق"، "فلسفۂ اخلاق و حُسنِ معاشرت"، "مذمت اہلِ دنیا" اور "تصوف، معرفت حقیقت" مین درج کیا ہے، لیکن ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس تالیف سے نہ ہندی شاعری کا صحیح تخیل سامنے آتا ہے، نہ اس کے خصوصیات نگاہ مین آتے ہین، اور کتاب کی ترتیب بھی صحیح مذاق پر نہین ہے، اگر یہ کتاب ہندی شعرا کے تذکرہ مین نہین ہے، اس لیے بھاشا زبان کی تاریخ اور شعرا کے سوانح حیات مین جامعیت موجود نہین، تو ہندی شاعری پر نقد و نظر کی ضرورت تھی، اگرچہ مصنف نے چوپایون اور دوہون پر اظہار خیال بھی کیا ہے، لیکن بجز بے معنی توصیفی الفاظ کے ان مین کوئی چیز موجود نہین خصوصاً رامائن کی تقریبًا ہر ہر چوپائی پر کوئی نہ کوئی بے معنی توصیفی فقرہ موجود ہے، جیسے سبحان اللہ کیا دلاویز تشبیہ ہے، کیا دلکش ہے، وغیرہ، اگر ہر چوپائی اور دوہے کی تعریف و توصیف کرنے کے بجاے اون کی لطافتون کو آشکارا کیا جاتا، خیالات مین جو جدت ہوتی، طرزِ تعبیر مین جو شیرینی اور مٹھاس ہوتی، اون سب کو نمایان کیا جاتا، تو زیادہ مناسب تھا، ہندی شاعری مین ہجر و فراق کی ستائی ہوئی دکھیارن کی بڑی پُر درد کہانیان اور جذبات ہین، ہندی شاعری سے اس حصہ کو نکال لینے کے معنی اوسکی روح کو

کھینچ لینا ہے، لیکن اس کتاب مین بجز بعض جگہ ضمنی تذکرہ کے اسکی تصویر کہین نہین کھینچی گئی، ہمارے نقطۂ نظر سے "منتخبات ہندی کلام" جو اس سے پہلے شائع ہو چکی تھی، وہ بھی اگرچہ نقائص سے خالی نہین جس کا تذکرہ ان صفحات مین آچکا ہے، تاہم وہ ہندی شاعری کی بڑی حد تک صحیح ترجمان ہے، اس موضوع پر یہ موخر الذکر تصنیف اگر اوس سے بلند پایہ نہ ہوتی تو اسے ہم پلہ تو ہونا تھا، پھر بھی ہندی شاعری سے اس وقت تک اُردو دان طبقہ بڑی حد تک نامانوس رہا ہے، اس لیے اوس کے متعلق اردو رسم خط مین جو کچھ بھی ملجائے، اسے غنیمت ہے، ہم جناب ڈاکٹر اعظم کریوی کو مشورہ دین گے، کہ وہ چونکہ ایک اچھے ہندی دان ہین، اور اردو کے بھی صاحبِ قلم ہین، اگر وہ اس قسم کی تصنیف کے بجاے کسی ایک دور کے ہندی شعرا کا تذکرہ اور منتخب کلام مرتب کرین، یا کسی ایک ہندی شاعر کو اردو مین مکمل طور پر پیش کرین، تو وہ ایک مفید خدمت انجام دین گے، اور ایسے کام اردو زبان کے ایسے ہی اہلِ قلم انجام دیسکتے ہین،

تاریخِ عجیب از جناب شیر محمد صاحب کاکوروی حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۴ صفحے، قیمت ۴ر ایس ایچ شیر محمد مشین ساز ویرزہ مرچنٹ، نظیر آباد لکھنؤ،

کہا جاتا ہے، کہ مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضؓ نے کبھی سر کے بال تراشے تھے، اسی مناسبت سے حلاقون کی برادری مین حضرتِ موصوف کا نام گرامی بطور استاذ لیا جاتا ہے، زیرِ نظر رسالہ اسی تقریب سے موصوف کے مختصر سوانح حیات مین ہے، جس مین حجامت کے پیشہ اوس کے لوازم، قیود و شرائط وغیرہ کا تذکرہ بھی آیا ہے، رسالہ کی ترتیب کا مقصود اس انتساب سے اس پیشہ کی وقعت و عزت بڑھانا ہے، اور مسلمانون مین اس پیشہ ور کو جس حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس کو دور کر کے اسلامی مساوات کو پیش کرنا ہے،

سرمایۂ صحت، از جناب حکیم حافظ یوسف حسن خاں صاحب سوری، حجم ۱۵ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۴ر مؤلف سے بہار شریف ضلع پٹنہ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

اس رسالہ مین چھوٹے بچوں کو حفظانِ صحت کے اصول، امراض، اور ان سے بچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں، رسالہ کی زبان کسی قدر اور آسان ہوتی تو مناسب تھا،

ہدایۃ الوریٰ فی تشریح الربوٰ، از مولٰنا محمد نقی صاحب صدر مدرس مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں ضلع ناسک (بمبئی) حجم ۲۰ صفحے، قیمت ار پتہ :- انجمن اصلاح المسلمین مالیگاؤں ضلع ناسک (بمبئی)

اس رسالہ میں سود کی حرمت کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، اور آخر میں دکھایا ہے کہ ہندوستان دار الحرب کی تعریف میں داخل نہیں، اس لئے یہاں مسلمانوں کے لئے سودی لین دین جائز نہیں، سب سے آخر میں سود خواری کی وعیدیں نقل کیگئی ہیں،

پانصد دُرِّ نادر، از جناب محمد حسین خانصاحب بی اے، ناشر جناب سید حمید خان بستی نو جالندھر چھوٹی تقطیع کے ۰ ۔ صفحے، قیمت درج نہیں،

یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں مختلف صحابہؓ، صوفیہؒ، اور اکابر اسلام کے ایسے پانچ سو مقولے جمع کئے گئے ہیں، جو حکمت و موعظت میں ہیں، رسالہ کی ترتیب ابواب یا عنوان پر نہیں ہے، مقولے ہر قائل کے نام کے نیچے درج کر دئے گئے ہیں،

دلیل القاری (عربی) از مولوی ابو الوفا صاحب، محمود حیدر آبادی، ۸۰ صفحے، قیمت باعتبار کاغذ ۱۲ و ۱۰
کلام الباری علیٰ پتہ مکتب معتمد مجلس احیاء العلوم، حیدر آباد، دکن،

یہ رسالہ علم تجوید و قرأت میں ہے، جس میں مختصر طور پر اس کے اصول و قواعد بیان ہوئے ہیں،

اربعین عندلیب، از مولوی عبد الوہاب صاحب، عندلیب، ۱۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ، دفتر الواعظ شاہ علی بنڈہ، حیدر آباد دکن،

اربعین عندلیب چالیس حدیثوں اور ان کے منظوم ترجموں پر مشتمل ہے، رسالہ کے سرورق پر "امتحان و ابتلا، صبر و رضا، انس و محبت" کا عنوان درج ہے، لیکن رسالہ میں مندرجہ احادیث ان سے مختلف موضوع طلب علم، صدق و صفا، اور حسن اخلاق وغیرہ پر ہیں، شاید رسالہ کا سرورق بدل گیا ہو،

"س"